مجلۂ طیلسانین

حیدرآباد دکن

مطبوعات جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد دکن

سررشتہ تالیف و ترجمہ کے زیر اہتمام قدیم و جدید علوم و فنون میں دو سو بہتر (۲۷۲) اردو کتابیں بشکل تالیف و تراجم شایع ہوچکی ہیں ان کے سوا بھی کتابیں تیار ہو رہی ہیں۔ فہرست مطبوعات فرمایش پر ارسال ہوتی ہے۔

محمد الیاس برنی

ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ

حالیہ شایع شدہ کتابوں کی فہرست کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ (۱۴۲)



Group Photo Industrial Exhibition 1348 F. Economic Committee Hyderabad.

Sitting—[illegible]

Standing—[illegible]

جلد سوم
سنہ ۱۹۳۹ء

شمارہ اول و دوم
سنہ ۱۳۴۸ف

مجلہ طیلسانین

انجمن طیلسانین عثمانیہ کا علمی و ادبی

سہ ماہی رسالہ

مجلس ادارت

۱۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ ام اے (عثمانیہ) پی ایچ ڈی (لندن) پروفیسر ادبیات اردو جامعہ عثمانیہ صدر
۲۔ عبدالمجید صدیقی ام اے ال ال بی پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ .... رکن
۳۔ سید محمد ام اے (عثمانیہ) لکچرار اردو و فارسی سٹی کالج .... رکن
۴۔ مہندر راج سکسینہ بی اے (عثمانیہ) لکچرار حیاتیات جامعہ عثمانیہ .... رکن
۵۔ غلام دستگیر رشید ام اے (عثمانیہ) لکچرار فارسی نظام کالج .... معتمد

مہتمم

محمد عبدالرحیم بی اے (عثمانیہ)

مقاصد

۱۔ علمی و ادبی مضامین، معیاری نظمیں اور جامعۂ عثمانیہ کے ایم اے اور ایم ایس سی کی ڈگریوں کیلیے پیش شدہ تحقیقاتی مقالات بالاقساط شایع کرنا۔

۲۔ اُردو مطبوعات پر تنقید و تبصرہ شایع کرنا۔

۳۔ انجمن طیلسانئین عثمانیہ کی مختلف سرگرمیوں کی روداد کی اشاعت۔

۴۔ مضامین متعلقہ سیاسیات حاضرہ اور دل آزار تنقیدیں کسی صورت میں قابلِ اشاعت متصور نہ ہوں گی۔

قواعد

۱۔ یہ رسالہ بہمن، اردی بہشت، امرداد، اور آبان مطابق جنوری، اپریل جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوگا۔

۲۔ رسالہ کی ضخامت کم سے کم ایک سو صفحے ہوگی۔

۳۔ جواب طلب اُمور کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔

۴۔ خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

چندہ مجلۂ طیلسانئین

خریدارانِ حیدرآباد سے سالانہ عاں، فی پرچہ ۸/

خریداران بیرون حیدرآباد سے سالانہ عاں ۱۲/، فی پرچہ ۱۲/

مع محصول ڈاک

اراکین انجمن طیلسانئین عثمانیہ سے سالانہ عہ، علاوہ محصول ڈاک

نرخ اشتہارات

مقدار		سال بھر	فی اشاعت
پورا صفحہ	سرورق	عـــہ	سے
	اندرونی	معہ	عاں
آدھا صفحہ	سرورق	صہ	ععم ۸/
	اندرونی	سے ۱۲/	ععم ۲/
پاؤ صفحہ		عاں	۱۰/
فی سطر		۸/	۳/

فہرست مضامین

اداریہ

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

نامِ خدا، مجلۂ طیلسانیین کی تیسری جلد کی پہلی اشاعت ہے۔ مالی مشکل اس کی بروقت اشاعت کے لیے ہمیشہ رکاوٹ ثابت ہوتی تھی ... لگی تھی کہ مرکزی انجمنِ طیلسانیین نے بروقت دستگیری کی۔ اسے اب مجلسِ علمیہ سے باقاعدہ ... مالی امداد کی اپیل کی جا رہی ہے۔ مختلف ذیلی کمیٹیوں مثلاً عثمانیہ بلدی جماعت اور معاشی کمیٹی وغیرہ نے بھی اب مجلۂ طیلسانیین کو اپنی زبان اور اپنا ترجمان خیال کیا ہے کم و بیش حسب استطاعت اس کی امداد پر آمادہ ہو گئے ہیں جہاں اتحاد و تعاون کی یہ روش جاری رہی تو کیا عجب ہے کہ آپ کا یہ مجلہ شایانِ شان درجہ اور عزت حاصل کرلے۔

فرائضِ ادارت کی نگرانی اور اہتمام و انتظام کا نظام بھی بدل گیا ہے۔ یہ فالِ نیک ہے کہ مولوی عبدالرحیم صاحب بی اے (عثمانیہ) جیسے فرض شناس رکن مجلہ کی اشاعت کا اہتمام فرما رہے ہیں۔

اس مجلہ کو پروان چڑھانے کے لیے یہ کافی نہیں کہ اہتمام اور انتظام میں کچھ تبدیلی ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ارکانِ انجمن پوری خوش دلی کے ساتھ اس کے خریدار ہوں اس کے لیے مضامین لکھیں، اس کو اپنے ذہنی اور اجتماعی ارتقا کا مظہر جانیں۔

۵

آجکل اجتماعی اداروں کی مسابقت اور ترقی میں "ترجمان" کو جس قدر اہمیت حاصل ہے اس کا احساس چاہیئے تو یہ تھا کہ ہم کو سب سے زیادہ ہوتا لیکن یہاں اس کی کمی ہے۔ ہمارے طیلسانی بھائی جلد یہ سمجھ لیں کہ کامیابی کی اولین شرط یہ ہے کہ ع

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

معاشی کمیٹی کو قایم ہوئے عرصہ ہو چکا تھا لیکن وہ سکون اور سکوت کا شکار تھی پچھلے سال طیلسانی کانفرنس کے موقعے پر یہ سکون اور سکوت جہد اور جہاد سے بدل گیا۔ صنعتی نمائش کی کامیابی اور اس کے اثرات نمود و نمایش کی منزل سے بہت آگے بڑھ گئے۔ اس کی دلچسپ اور سبق آموز داستان عدم گنجایش کے باعث مختصر طور پر اس اشاعت میں شامل کی گئی ہے۔ اس کامیابی نے معاشی کمیٹی کے کارکنوں کے حوصلے بڑھا دیے اور ارادے بلند کر دیے۔ وہ اس وقت "عمل پیہم" کی مختلف منزلوں سے گذر رہے ہیں۔ پہلا کام نوڈائرکٹری کا در پیش ہے جہاں تک ہمیں علم ہوتا جاتا ہے حسنِ صنعت اور عزم سبقت دونوں کی اس باب میں کارفرمائی جاری ہے کیا عجب ہے کہ برکت اور نصرت ہمکنار ہو۔ اپنے اور بیگانے سب مبارک باد کے بعد ان کے آیندہ رفتار قدم پر آنکھیں لگائے ہوئے ہیں اگلے سال کی نمایش کا مرحلہ پھر در پیش ہے۔

اس سلسلے میں اولین فرض یہ ہے کہ مختلف کالجوں کے معاشیات کے طالب علم معاشی کمیٹی کے رکن بلا تاخیر بن جائیں۔ کارکن اس طرف توجہ کریں ملک کے دیگر تعلیم یافتہ حضرات اور معاشی فلاح و بہبود کے خواہاں جلد اس سے اپنا باقاعدہ ربط قایم کرلیں، تاکہ یہ ملک کا بہترین معاشی ادارہ بن جائے۔ صرف باہر رہ کر رائے زنی اور تعریض تن آسانی کی علامت ہے۔ یوں تو تجاویز کی بڑی لمبی چوڑی فہرست سپرد قلم کی جا سکتی ہے لیکن کام کی پہلی بات ادارہ کی وسعت اور اس کا استحکام ہے۔

ہمیں صاحب استطاعت اُمراء اور ارکانِ دولت سے بھی قومی امید ہے کہ وہ معاشی کمیٹی کے فرائض میں پورے طور پر ہاتھ بٹائیں گے۔

پچھلے افکار اور گفتار کا غازی، شعر و ادب کا اقبالؒ ہم سب سے رخصت ہوا۔ یہ زخم ابھی ہرا ہی تھا کہ اپنے عہد کا مجاہدِ اعظم، کردار کا غازی مصطفٰے کمالؒ بھی ہم سے جدا ہوا۔ غازی مرحوم کی ذات دنیا کی ہر مغلوب محکوم اور محروم قوم کے لیے جوشِ عمل کا ایک سبق اور امید کی ایک شمع فروزاں تھی! ایک بے سہارا، بے محافظ، یتیم لڑکا اپنی زخم خوردہ بیوہ ماں کی دعا

اور اپنی انتھک دلیرانہ جد وجہد سے کس طرح ترکی کے مرد بیمار کا مسیحا اور محافظ بن گیا، یہ ایک حیرت انگیز اور عبرت خیز کردار ہے۔ سچ ہے کہ محبت اور عزت انسان کو کتنا قوی کرتی ہے۔ قوت اور نصرت ہم معنیٰ ہیں ؎

بے جُراتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یداللّٰہی

انجمن طیلسانئین کا نیا اقدام جماعت "اتحاد و ترقی" ہے، یہ نام ترکی کی مشہور قومی جماعت کے نام پر ہے۔ دیکھئے کہ اس کے اس نام اور اس کے کام میں کس قدر مناسبت پیدا ہوتی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ملک کے مشترکہ سیاسی اور تمدنی مقاصد کے لیے متحدہ سعی کی جائے۔ فرقہ پرستی کا کوئی مفروضہ اور مسلّمہ امر یہاں جگہ نہ پائے۔ فکر اور عمل کی صحت یہاں معیار بنے۔ یہ موجودہ پیچیدہ حالات میں جنم لے رہی ہے۔ تیزی سے تعمیر اور ترکیب کی ابتدائی منزلیں طے ہو رہی ہیں اگر اس وقت خرابی کی کوئی صورت مضمر رہ گئی تو آگے بڑی الجھنیں پڑیں گی۔ دیکھیں کہ نظر بلند اور دل ہوشیار کس طرح کام کرتے ہیں۔

وہ سارے احباب جنھوں نے مجلہ کی اشاعت میں درہم، قدم اور قلم سے مدد فرمائی ہے ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔

"س"

پیامِ توحید

توحید کا پیغام ہر اک شان میں آیا — توریت میں، انجیل میں، قرآن میں آیا

غنچے کے تبسم میں کبھی رنگِ شفق میں — وہ نور کبھی گوہرِ عمّان میں آیا

دھرتی کے سپوتوں کی وہی کرتا ہے رکھشا — بن باسیوں کے دکھ بھرے رومان میں آیا

پورب ہو کہ پچھم وہی ان داتا ہے سب کا — ہر صاحبِ مذہب کے یہ ایمان میں آیا

شاید نظر آجائے تجھے دیدۂ باطن! — پرماتما ہر جان، ہر انسان میں آیا

گہہ نخل پہ، گہہ طور پہ، گہہ عرشِ بریں پر — قدرت کا وہ نقاش عجب آن میں آیا

خورشید ہو، مہتاب ہو، یا قطرۂ نیساں
ہر ایک ذکی اس کی ضیا سے ہے درخشاں

محمد عبدالسلام ذکی

اقبال کی دعائیں

اقبال کے کلام کا بہت بڑا حصہ ان اشعار پر مشتمل ہے جن میں راست خدائے تعالیٰ سے خطاب ہے۔ ذاتِ باری سے مخاطب ہونے کا انھوں نے ایسا اسلوب اختیار کیا ہے اور اس کو اس قدر مختلف پیرایوں میں باندھا ہے کہ اس کا جواب کسی دوسرے شاعر یا مصنف کے کلام میں نہیں ملتا، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ دعا کو انھوں نے ایک آرٹ کی حد تک پہنچا دیا ہے۔

اکثر موقعوں پر انسان بے اختیار خدا کو یاد کرتا ہے اور اسی لیے ہر شخص چاہے وہ دُنیادار ہو، یا دین دار، ہر وقت دعائیں کیا کرتا ہے۔ بعض لوگ اس دُنیا میں اپنی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے دعا مانگتے ہیں اور بعض آیندہ دُنیا میں اپنی نجات کے لیے سر بسجدہ ہوتے ہیں۔

اقبال پر عشقِ الٰہی کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ وہ جدھر جاتے ہیں اُدھر اسی کی نشانی دیکھتے ہیں اور انھیں ہر راستہ خدا کی طرف ہی لے جاتا ہے:۔

عشق شور انگیز را ہر جادہ در کوئے تو بُرد　　　بر تلاشِ خود چہ می نازد کہ رہ سوئے تو بُرد

عشقِ الٰہی میں وہ اس قدر محو ہیں کہ ہر وقت اور ہر لمحہ اس کے ذکر میں منہمک رہتے ہیں چاہے وہ خدا کو حاضر سمجھ کر خطاب کریں یا غائبانہ اس کے ذکر میں مشغول رہیں۔ خدائے تعالیٰ سے اپنی بہبودی اور نجات کے لیے دعا مانگنا ایک فطری چیز ہے لیکن اقبال کی عظمت اور بے غرضی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ باوجود اس کثرت کے ساتھ خدا کو مخاطب کرنے کے انھوں نے کبھی نہ تو اس دُنیا میں اپنی بھلائی کے لیے دعا کی ہے اور نہ آخرت میں اپنی نجات کے لیے۔ وہ دعا کرتے ہیں تو اپنی قوم کی فلاح کے لیے یا اس لیے کہ ان کے کلام میں ایسی تاثیر ہو کہ جس سے وہ اُمتِ مرحوم کو زندہ کر سکیں۔

چنانچہ "ارمغان حجاز" میں وہ حضورِ حق میں ایک رباعی عرض کرتے ہیں :۔

نخواہم ایں جہان و آں جہاں را مرا ایں بس کہ دانم رمزِ جاں را
سجودے دہ کہ از سوز و سرورش بوجد آرم زمین و آسماں را

وہ صرف حمد و ثنا پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ایک وضعدار عاشق کی طرح شوخیاں اور ناز و نیاز بھی کرتے ہیں کیوں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ نہ صرف انسان خدا کا عاشق ہے بلکہ خود خدا بھی انسان کا عاشق اور انسان کی تلاش میں ہے۔ خدا سے وہ کبھی سوال و جواب کرتے ہیں اور کبھی آدم یا ابلیس یا لینن وغیرہ کی زبانی شکر و شکایت سناتے ہیں۔ وہ خدا کی درگاہ میں ہمیشہ حاضر رہتے ہیں لیکن اپنی ذات کا خیال پل بھر بھی انھیں نہیں آتا۔

نماز ہو یا روزہ، حج ہو یا کسی اور قسم کی عبادت ان میں خدا کی طرف دھیان لگانے اور اس کو یاد کرنے کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ وہ عبادت ہی کیا جو محض ایک ضابطہ کی پابندی کے لیے کی جائے اور جس میں حضورِ قلب حاصل نہ ہو۔ چنانچہ اسی کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے :۔

نمازِ بے حضور از من نمی آید دلے آوردہ ام دیگر زمیں کافر نمی خواہی

اسی طرح لکھتے ہیں :۔

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

عبادت کے اسی فلسفے کو انھوں نے فلسفیانہ انداز میں اپنے لکچروں میں بیان کیا ہے جو تشکیل الٰہیات اسلامیہ پر دیے تھے اور شاعرانہ انداز میں اس دعا میں کہا ہے جو مسجد قرطبہ میں لکھی گئی تھی :۔

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو میری نواؤں میں ہے خون جگر کا لہو
صحبتِ اہلِ صفا نور و حضور و سرور سرخوش و پرسوز ہے لالۂ لب آبجو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق ساتھ میرے رہ گئی ایک میری آرزو
میرا نشیمن نہیں درگہِ میر و وزیر میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو
تجھ سے گریباں مرا مطلعِ صبحِ نشور تجھ سے میرے سینے میں آتشِ اللہ ھو
تجھ سے میری زندگی سوز و تب و درد و داغ تو ہی مری آرزو تو ہی مری جستجو
پاس اگر تو نہیں شہر ہیں ویراں تمام تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاخ و کو

پھر وہ شرابِ کہن مجھ کو عطا کر کہ میں | ڈھونڈ رہا ہوں اسے توڑ کے جام و سبو
چشمِ کرم ساقیا دیر سے ہیں منتظر | جلوتیوں کے سبو خلوتیوں کے کدو
تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلہ | اپنے لیے لامکاں میرے لیے چار سو
فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا | حرفِ تمنا جسے کہہ نہ سکیں روبرو

اس دعا کا آخری شعر قابلِ غور ہے۔ اس میں اقبال نے فلسفہ اور شعر دونوں کی حقیقت یہ بیان کی ہے کہ وہ آرزوئیں اور تمنائیں جو روبرو بیان نہیں کی جا سکتیں فلسفہ اور شاعری کے پیرایہ میں بیان کی جاتی ہیں۔

بعض ظاہر پرست زاہدوں کو یہ شکایت تھی کہ اقبال پانچ وقت کی نماز نہیں پڑھا کرتے لیکن انھوں نے نہیں دیکھا کہ اقبال کا دل ہر وقت خدا اور رسولؐ کی یاد سے لبریز ہے اور اس کے سوا ان کے دل میں کوئی دوسرا خیال نہیں۔ چنانچہ مسجد قرطبہ میں کھڑے ہو کر وہ اعلان کرتے ہیں کہ:-

کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق | دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے | نغمۂ اللہ ھو مرے رگ و پے میں ہے

غرض کہ اقبال کا پورا کلام کسی نہ کسی پیرایہ میں خدا کی ہستی کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن اس مضمون میں ہم صرف ان اشعار پر بحث کریں گے جن میں انھوں نے خدا سے راست خطاب کیا ہے۔

اس ضمن میں سب سے پہلے ہم ان اشعار کو لیتے ہیں جن میں عارفانہ انداز سے خدا کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جب جرمنی میں اقبال نے فلسفۂ عجم پر اپنا مقالہ لکھا تھا تو ان دنوں میں اور اس کے بعد بھی صوفیانہ شاعری کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا؛ اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ان کے کلام پر اس کا معتدبہ اثر ہوتا۔ اس کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ یہ صوفیانہ شاعری بھی اقبال کے پاس آ کر ان کے اپنے سانچے میں ڈھل جاتی ہے اور اس کا رنگ قدیم صوفیا کے رنگ سے مختلف ہے۔ اس فرق کو ایک جملہ میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے کہ اقبال کے صوفیانہ اشعار سے بھی بجائے موت کے حیات کے آثار نمودار ہیں۔

وہ خدا کی تلاش میں پھرتے ہیں تو اس مطلب کو یوں ادا کرتے ہیں:-

تو بروے بے نوائے در آں جہاں کشادی | کہ ہنوز آرزویش نہ دمیدہ در ضمیرے
بہ نگاہ نارسایم چہ بہار جلوہ دادی | کہ بباغ و راغ نالم چو تدرو و نو صفیرے
چہ شود اگر خرامی بسرائے کاروانے | کہ متاعِ نارواش دلکے است پارہ پارہ

دل زندہ کہ دادی بحجاب در نسازد — نگہے بدہ بہ بند شررے بسنگ خارہ

وہ جب اس کو ایک نگاہ دیکھ لیتے ہیں تو تلاش میں نکل چلتے ہیں، لیکن دنیا اور آخرت میں جہاں کہیں وہ ڈھونڈتے ہیں انھیں انسان ہی کا پتا ملتا ہے خدا کا نشاں نہیں ملتا :۔

اے من از فیض تو پایندہ نشانِ تو کجاست — ایں دو گیتی اثر ماست، جہانِ تو کجاست

اس پر بھی جستجو کی لذت انھیں آوارہ رکھتی ہے بلکہ وہ تو زندگی کا مقصد بھی اسی جستجو کو سمجھتے ہیں :۔

سوز و گداز زندگی لذتِ جستجوئے تو — راہ چو مار می گزد گر نروم بسوئے تو

من بتلاشِ تو روم یا بتلاشِ خود روم — عقل و دل و نظر ہمہ گمشدگانِ کوئے تو

اس تلاش و جستجو میں بھی خدا کا خیال ان کے دل سے جدا نہیں ہوتا اس کے باوجود جب وہ دیدار سے محروم رہتے ہیں تو شکایت کرتے ہیں کہ :۔

چند بروئے خود کشی پردۂ صبح و شام را — چہرہ کشا تمام کن جلوۂ ناتمام را

کبھی وہ خدا سے التجا کرتے ہیں اور اس کو اپنی حالت اور اپنے کارنامے سناتے ہیں :۔

اشک چکیدہ ام ببیں ہم بہ نگاہ خود نگر — ریز بہ نیستانِ من برق و شرار ایں چنیں

بادِ بہار را بگو پے بخیالِ من برد — وادی و دشت را دہد نقش و نگار ایں چنیں

زادۂ باغ و راغ را از نفسم طراوتے — در چمنِ تو زیستم با گل و خار ایں چنیں

عالمِ آب و خاک را بر محک دلم بسائے — روشن و تار خویش را گیر عیار ایں چنیں

دل بہ کسے نباختہ با دو جہاں نساختہ — من بحضور تو رسم روز شمار ایں چنیں

جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ خدا کا جلوہ ان کی نگاہوں کے ذریعے ان کے دل میں داخل ہو گیا ہے تو پھر ان کو اپنے دل میں اجالا نظر آتا ہے :۔

شبِ من سحر نمودی کہ بہ طلعت آفتابی — تو بہ طلعت آفتابی سزد ایں کہ بے حجابی

تو بدرد من رسیدی بضمیرم آرمیدی — ز نگاہِ من رمیدی بچنیں گراں رکابی

تو عیارِ کم عیاراں، تو قرارِ بے قراراں — تو دوائے دل فگاراں مگر ایں کہ دیر یابی

بجلالِ تو کہ در دل دگر آرزو ندارم — بجز ایں دعا کہ بخشی بکبوتراں عقابی

الملک للہ کی تشریح کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کی ملکیت ہے :۔

مرغِ خوش لہجہ و شاہینِ شکاری از تست — زندگی را روشِ نوری و ناری از تست

ہمہ اندر من از تست چہ در دل چہ بلب — گہر از بحر بر آری نہ بر آری از تست
من ہمان مشت غبارم کہ بجائے نرسد — لالہ از تست و نم ابر بہاری از تست
نقش پرداز توئی ما قلم افشانیم — حاضر آرائی و آئندہ نگاری از تست

ہمہ اوست کی تفسیر یوں لکھتے ہیں:۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب — گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب
تیرہ و تار ہے جہاں گردش آفتاب سے
طبع زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

ذیل کے اشعار میں انھوں نے ساقی ازل کو خطاب کیا ہے:۔

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی — ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی
میری مینائے غزل میں تھی ذرا سی باقی — شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
شیر مردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی — رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی
عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے — علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
سینہ روشن ہو تو ہے سوز سخن عین حیات — ہو نہ روشن تو سخن مرگ دوام اے ساقی

خدا کا نور جب اُن کے سینے میں جلوہ گر ہو جاتا ہے تو وہ اس کی روشنی میں ایک نئی زمین اور نیا آسمان بناتے ہیں:۔

اے خدائے مہر و مہ خاک پریشانے نگر — ذرہ در خود فرو پیچد بیابانے نگر
حسن بے پایاں درون سینۂ خلوت گرفت — آفتاب خویش را زیر گریبانے نگر
بر دل آدم زدی عشق بلا انگیز را — آتش خود را بآغوش نیستانے نگر
شوید از دامان ہستی داغہائے کہنہ را — سخت کوشی ہائے این آلودہ دامانے نگر
خاک ما خیزد کہ سازد آسمانے دیگرے — ذرۂ ناچیز و تعمیر بیابانے نگر

عشق نبیؐ میں وہ اس قدر ڈوب گئے تھے کہ قیامت کے دن خواجۂ دو عالم کے سامنے اپنے اعمال کا حساب

لیا جانا بھی پسند نہیں کرتے کہ کہیں حضورؐ کے سامنے شرمندگی نہ ہو، اس لیے خدا سے التجا کرتے ہیں کہ محشر میں ان کا حساب نبی کریمؐ سے پوشیدہ طور پر لیا جائے۔

به پایان چوں رسد ایں عالم پیر — شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ ما را — حساب من ز چشم او نہاں گیر

حُبِ نبیؐ کی انتہائی کیفیت "ارمغان حجاز" کی اس رباعی میں بیان کرتے ہیں جس میں وہ حجاز کا روحانی سفر کرتے ہیں اور خدا سے کہتے ہیں کہ تو بھی کعبے میں رہ کر اپنے خاص بندوں سے مل لیکن مجھے تو منزلِ دوست کی تمنا ہے اور اس لیے میں مدینہ جا رہا ہوں:۔

بدن وا ماند و جانم در تگ و پوست — سوئے شہرے کہ بطحا در رہِ اوست
تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز — کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

اقبال کا دل دردِ انسانیت سے معمور تھا، اور چونکہ وہ نسلِ انسانی کی نجات اسلام میں دیکھتے اور انسانی مقاصد کی تکمیل کا واحد ذریعہ مسلمانوں کو سمجھتے تھے اس لیے لازم تھا کہ وہ اپنی قوم کی حالت پر غور کریں چنانچہ متعدد مرتبہ انھوں نے بارگاہ ایزدی اور دربار نبویؐ میں قوم کا حال بیان کیا ہے بمثال کے طور پر ہم یہاں مثنوی "مسافر" سے وہ مناجات درج کرتے ہیں جو انھوں نے شہر غزنی کے ویرانے میں کہی تھی اور جس میں دنیا اور بالخصوص مسلمانوں کی موجودہ حالت کی شکایت کی ہے:۔

اے خدا، اے نقشبندِ جان و تن — با تو ایں شوریدہ دارد یک سخن
قسمتِ ما بینم دریں دیرِ کہن — قسمتِ ما در خلوت و در انجمن
عالم از تقدیرِ تو آمد پدید — یا خدائے دیگر او را آفرید
ظاہرش صلح و صفا باطن ستیز — اہلِ دل را شیشۂ دل ریزریز
صدق و اخلاص و صفا باقی نماند — آں قدح بشکست و آں ساقی نماند
چشمِ تو بر لالہ رویانِ فرنگ — آدم از افسونِ شاں بے آب و رنگ
ایں مسلماں از پرستاراں کیست؟ — در گریبانش یکے ہنگامہ نیست
سینہ اش بے سوز و جانش بے خروش — روح را فیل است و سورا دخموش
قلب او رنا محکم و جانش نژند — در جہاں کالائے رو نا ارجمند

در مصافِ زندگانی بے ثبات
دارد اندر آستیں لات و منات

مرگ را چوں کافراں داند ہلاک
آتش او کم بہا مانندِ خاک

شعلۂ از خاک او باز آفریں
آں طلب آں جستجو باز آفریں

باز جذب اندرون او را بدہ
آں جنونِ ذوفنون او را بدہ

شرق را کن از وجودش استوار
صبحِ فردا از گریبانش بر آر

بحرِ احمر را بچوب او شگاف
از شکوہش لرزہ افگن بر قاف

وہ دنیا، اور مسلمانوں کی اس موجودہ روش سے بیزار ہو چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی حالت میں انقلاب ہو:۔

یا مسلماں را بدہ فرماں کہ جاں بر کف بنہ
یا دریں فرسودہ پیکر تازہ جانے آفریں، یا چناں کن یا چنیں

یا برہمن را بفرما نو خداوندے تراش
یا خود اندر سینۂ زناریاں خلوت گزیں، یا چناں کن یا چنیں

یا دگر آدم کہ از ابلیس باشد کمترک
یا دگر ابلیس بہرِ امتحانِ عقل و دیں، یا چناں کن یا چنیں

یا جہانے تازۂ یا امتحانے تازۂ
می کنی تا چند با ما آنچہ کردی پیش ازیں، یا چناں کن یا چنیں

فقر بخشی؟ با شکوہِ خسرو پرویز بخش
یا عطا فرما خرد با فطرتِ روح الامیں، یا چناں کن یا چنیں

یا بکش در سینۂ من آرزوئے انقلاب
یا دگرگوں کن نہادِ ایں زمان و ایں زمیں، یا چناں کن یا چنیں

مسلمانوں کے لیے خدا سے جو کچھ وہ مانگتے ہیں وہ "بانگ درا" کی اس مشہور دعا میں درج ہے:۔

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہم دوشِ ثریا کر
خودداریِ ساحل دے آزادیِ دریا دے

احساسِ عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

وہ بارگاہِ ایزدی میں ان خداوندانِ مکتب کی شکایت کرتے ہیں جو شاہین بچوں کو خاکبازی کا سبق دے رہے ہیں۔ اس کے ردِّ عمل کے لیے وہ خود اپنی قوم کے لیے خدا سے التجا کرتے ہیں:۔

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

جو دعا انھوں نے بالِ جبریلؑ کے ساقی نامے میں کی ہے وہ ایک الہامی کیفیت رکھتی ہے۔ میری رائے میں یہ ساقی نامہ دنیائے شاعری کے چوٹی کے کارناموں میں شمار کیا جا سکتا ہے:۔

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا

خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر

ہری شاخِ ملت ترے نم سے ہے
نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیقؓ دے

جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے

مری ناؤ گرداب سے پار کر
یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات
کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز
مری خلوت و انجمن کا گداز

امنگیں مری آرزوئیں مری
امیدیں مری جستجوئیں مری

مری فطرت آئینۂ روزگار
غزالانِ افکار کا مرغزار

مرا دل مری رزم گاہِ حیات — گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے — لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ اقبال دین و دُنیا دونوں کی نعمتوں سے بے نیاز ہیں اور ان چیزوں کے لیے بارگاہِ ایزدی میں دستِ طلب نہیں دراز کرتے۔ حضور باری تعالیٰ میں بھی ان کی نظر اپنی درماندہ قوم اور اس کے آگے نوعِ انسانی پر رہتی ہے اور اس لیے وہ خود اپنی ذات میں اور اپنے کلام میں ایسی صفات طلب کرتے ہیں جن کی مدد سے وہ تمام انسانوں کے کام آسکیں۔ اس قسم کی دعائیں انھوں نے اپنی مختلف تصنیفوں کی ابتدا میں درج کی ہیں۔ "پیامِ مشرق" میں رباعیوں کے بعد جب افکار کا حصہ شروع ہوتا ہے تو وہ اس طرح دعا کرتے ہیں:-

اے کہ از خمخانۂ فطرت بجامم ریختی — زآتشِ صہبائے من بگداز میناے مرا
عشق را سرمایہ ساز دگرمیِ فریاد من — شعلۂ بیباک گرداں خاک سینائے مرا
چوں بمیرم از غبارم چراغِ لالہ ساز — تازہ کن داغِ مرا سوزاں بصحرائے مرا

زبورِ عجم کی ابتدا اس دعا سے کرتے ہیں:-

یارب درونِ سینہ دلِ باخبر بدہ — در بادہ نشہ را نگرم آں نظر بدہ
ایں بندہ راکہ با نفسِ دیگراں نزیست — یک آہ خانہ زاد مثالِ سحر بدہ
سیلم مرا بجوئے تنک مایہ مپیچ — جولانگہے بوادی و کوہ و کمر بدہ
سازی اگر حریفِ یمِ بیکراں مرا — با اضطرابِ موج سکونِ گہر بدہ
شاہینِ من بصیدِ پلنگاں گذاشتی — ہمت بلند و چنگل ازیں تیز تر بدہ
رفتم کہ طائرانِ حرم را کنم شکار — تیرے کہ نافگندہ فتد کارگر بدہ
خاکم بہ نورِ نغمۂ داؤد بر فروز — ہر ذرۂ مرا پر و بالِ شرر بدہ

اور آگے چل کر ان کی درخواست یہ ہے:-

اے کہ زمن فزودۂ گرمیِ آہ و نالہ را — زندہ کن از صدائے من خاکِ ہزار سالہ را
غنچۂ دل گرفتہ را از نفسم گرہ کشائے — تازہ کن از نسیمِ من داغِ درونِ لالہ را
خواجۂ من نگاہ دار آبروئے گدائے خویش — آں کہ زجوئے دیگراں پُر نہ کند پیالہ را

پھر کہتے ہیں:۔

بضمیرم آں چناں کن کہ ز شعلہ نوائے | دلِ خاکیاں فروزم دلِ نوریاں گدازم

اقبال ایسے دل سے بیزار ہیں جو اپنے آپ کو کھویا ہوا ہو، جو دوسرے کے دماغ سے سوچتا ہو، جو کم و بیش کی فکر میں لگا ہوا ہو۔ وہ ایسا دل مانگتے ہیں جو اپنی شراب سے آپ مست ہو اور جس میں ساری دنیا سے محبت ہو:۔

بدہ آں دل کہ مستی ہائے او از بادۂ خویش است | بگیر ایں دل کہ از خود رفتہ و بیگانہ اندیش است

بدہ آں دل بدہ آں دل کہ گیتی را فرا گیرد | بگیر ایں دل بگیر ایں دل کہ در بند کم و بیش است

مرا اے صید گیر از ترکشِ تقدیر بیروں کش | جگر دوزی چہ می آید ازاں تیرے کہ در کیش است

وہ چاہتے ہیں کہ ان کے دل میں گمان و ظن اور شک و شبہ کا کوئی شائبہ بھی نہ ہو، ان کا دل یقین سے لبریز ہو، جس میں ان کو تقدیرِ عالم روشن تر نظر آسکے:۔

ایں دل کہ مرا دادی لبریز یقیں بادا | ایں جامِ جہاں بینم روشن تر ازیں بادا

تلخے کہ فرو ریزد گردوں بسفالِ من | در کامِ کہن رندے آنہم شکریں بادا

"انسان" کے تخیل کو انھوں نے اس قدر بلند کیا ہے اور اس کی عظمت کا احساس ان کو اس قدر ہے کہ جب وہ خدا کی راہ میں نکل چلتے ہیں تو اس سے ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ خدا کو ڈھونڈھتے پھریں، بلکہ وہ خود اپنی تلاش میں محو ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ انسان کی ہستی اور اس کی تقدیر ان پر نمایاں ہو جائے:۔

درونِ سینۂ ما دیگرے چہ بوالعجبی است | کرا خبر کہ توئی یا کہ دو چار خودیم

کشائے پردہ ز تقدیرِ آدمِ خاکی | کہ ما بہ رہ گزرِ تو در انتظارِ خودیم

ان کی ایک بہت موثر اور روح پرور مناجات وہ ہے جس سے "جاوید نامہ" کا آغاز ہوتا ہے اور جو ان کے سیرِ افلاک کا پیش خیمہ ہے:۔

اے ترا تیرے کہ ما را سینہ سفت | حرف ادعونی کہ گفت و با کہ گفت؟

روئے تو ایمانِ من قرآنِ من | جلوۂ داری دریغ از جانِ من؟

از زیاں ہمہ شعاعِ آفتاب | کم نمی گردد متاعِ آفتاب

عصرِ حاضر را خرد زنجیر پاست | جانِ بے تابے کہ من دارم کجاست؟

عمر ها بر خویش می پیچید وجود
تا یکے بے تاب جاں آید فرود

گر نه رنجی این زمین شوره زار
نیست تخم آرزو را سازگار

از درون این گل بے حاصلے
بس غنیمت داں اگر روید دلے

تو همی اندر شبستانم گذر
یک زماں بے نوری جانم نگر

شعله را پرهیز از خاشاک چیست
برق را از بر فتادن باک چیست

زیستم تا زیستم اندر فراق
وانما آں سوئے این نیلی رواق

بسته در ها را بر ویم باز کن
خاک را با قدسیاں همراز کن

آتشے در سینهٔ من بر فروز
عود را بگزار و هیزم را بسوز

باز آتش بنه عود مرا
در جهاں آشفته کن دود مرا

آتش پیمانهٔ من تیز کن
با تغافل یک نگه آمیز کن

یا کش این پردهٔ اسرار را
یا بگیر این جان بے دیدار را

نخل فکرم نا امید از برگ و بر
یا تبر بفرست یا باد سحر

عقل دادی هم جنونے ده مرا
ره بجذب اندرونے ده مرا

علم در اندیشه می گیرد مقام
عشق را کاشانه قلب لا ینام

علم تا از عشق برخوردار نیست
جز تماشا خانهٔ افکار نیست

این تماشا خانه سحر سامری است
علم بے روح القدس افسونگری است

بے تجلی مرد دانا ره نبرد
از لکد کوب خیال خویش مرد

بے تجلی زندگی رنجوری است
عقل مهجوری و دیں مجبوری است

این جهان کوه و دشت و بحر و بر
ما نظر خواهیم او گوید خبر

منزلے بخش این دل آواره را
باز ده با ماه این مه پاره را

گرچه از خاکم نروید جز کلام
حرف مهجوری نمی گردد تمام

زیر گردوں خویش را یابم غریب
زانسوئے گردوں بگو آئی قریب

تا مثال مهر و مه گردد غروب
این جهات و این شمال و این جنوب

از طلسمِ دوش و فردا بگذرم — از مہ و مہر و ثریا بگذرم
تو فروغِ جاوداں ما چوں شرار — یک دو دم داریم و آں ہم مستعار
اینم من جاودانی کن مرا — از زمینی آسمانی کن مرا
ضبط در گفتار و کردارے بدہ — جادہ ہا پیداست رفتارے بدہ
آنچہ گفتم از جہانے دیگر است — ایں کتاب از آسمانے دیگر است
بحرم و از من کم آشوبی خطاست — آں کہ در قعرم فرو آید کجاست
یک جہاں بر ساحلِ من آرمید — از کراں غیر از رمِ موجم ندید
من کہ نومیدم ز پیرانِ کہن — دارم از روزے کہ می آید سخن
بر جواناں سہل کن حرفِ مرا — بہرِ شاں پایاب کن ژرفِ مرا

"بالِ جبریل" کی تیسری نظم میں وہ خدائے تعالیٰ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:—

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر — ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں — یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
تو ہے محیطِ بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو — یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو — میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہرِ شاہوار کر
نغمۂ نوبہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو — اس دمِ نیم سوز کو طائرکِ بہار کر
باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں — کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر
روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل — آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

اسی طرح آگے چل کر کہتے ہیں:—

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر — شریکِ زمرۂ "لا یحزنون" کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

"اسرارِ خودی" کے آخر میں انھوں نے بڑے سوز و گداز کے ساتھ دعا کی ہے جس میں اپنی تنہائی کا اظہار کرکے خدا سے اپنے لیے ایک ہمدم مانگا ہے:—

اے تو چو جاں اندر وجودِ عالمی — جانِ ما باشی و از ما می رمی

نغمہ از فیضِ تو در عودِ حیات   موت در راہِ تو محسودِ حیات
باز تسکینِ دلِ ناشاد شو   باز اندر سینہ ہا آباد شو
باز از ما خواہ ننگ و نام را   پختہ تر کن عاشقانِ خام را
از مقدر شکوہ ہا داریم ما   نرخِ تو بالا و ناداریم ما
از تہی دستاں رُخِ زیبا مپوش   عشقِ سلمانؓ و بلالؓ ارزاں فروش
چشمِ بے خواب و دلِ بے تاب دہ   باز مارا فطرتِ سیماب دہ
کوہ آتش خیز کن ایں کاہ را   ز آتشِ ما سوز غیر اللہ را
رشتۂ وحدت چو قوم از دست داد   صد گرہ بر روئے کارِ ما فتاد
ما پریشاں در جہاں چوں اختریم   ہمدم و بیگانہ از یک دیگریم
باز ایں اوراق را شیرازہ کن   باز آئینِ محبت تازہ کن
باز مارا بر ہماں خدمت گمار   کارِ خود با عاشقانِ خود سپار
رہرواں را منزلِ تسلیم بخش   قوتِ ایمانِ ابراہیم بخش
عشق را از شغلِ لا آگاہ کن   آشنائے رمزِ الا اللہ کن
منکہ بہرِ دیگراں سوزم چو شمع   بزمِ خود را گریہ آموزم چو شمع
یارب آں اشکے کہ باشد دلفروز   بیقرار و مضطر و آرام سوز
کارمش در باغ و روید آتشے   از قبائے لالہ شوید آتشے
دل بدوش و دیدہ بر فرداستم   در میانِ انجمن تنہاستم
"ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من   از درونِ من نجست اسرارِ من" (رومی)
در جہاں یارب ندیمِ من کجاست   نخلِ سینایم کلیمِ من کجاست
سینۂ عصرِ من از دل خالی است   می تپد مجنوں کہ محمل خالی است
شمع را تنہا تپیدن سہل نیست   آہ یک پروانۂ من اہل نیست
انتظارِ غمگسارے تا کجا   جستجوئے رازدارے تا کجا
اے ز رویت ماہ و انجم مستنیر   آتشِ خود را ز جانم باز گیر

این امانت باز گیر از سینہ ام | خار جوہر برکش از آئینہ ام
یا مرا یک ہمدم دیرینہ دہ | عشقِ عالم سوز را آئینہ دہ

یہاں اقبال نے مختلف چیزوں کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا بیان کیا ہے اور پھر بعد میں اپنی تنہائی بیان کرتا ہے:۔

موج در بحر است ہم پہلوئے موج | ہست با ہمدم تپیدن خوئے موج
بر فلک کوکب ندیم کوکب است | ماہ تاباں سر بزانوئے شب است
روز پہلوئے شب یلدا زند | خویش را امروز بر فردا زند
ہستیٔ جوئے بجوئے گم شود | موجۂ بادے ببوئے گم شود
ہست در ہر گوشۂ ویرانہ رقص | می کند دیوانہ با دیوانہ رقص
گرچہ تو در ذات خود یکتاستی | عالمے از بہر خویش آراستی
من مثالِ لالۂ صحراستم | در میانِ محفلے تنہاستم
خواہم از لطف تو یارے ہمدمے | از رموزِ فطرت من محرمے
ہمدم دیوانۂ فرزانۂ | از خیال این و آں بیگانۂ
تا بجان او سپارم ہوئے خویش | باز بینم در دل او روئے خویش
سازم از مشتِ گلِ خود پیکرش | ہم صنم او را شوم ہم آذرش

لیکن وہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کی بات کو سمجھنے والا کوئی نہیں، جو چنگاری ان کے دل میں پنہاں ہے اس کے لیے کہیں خس و خاشاک میسر نہیں ہوتا تو کہہ اٹھتے ہیں:۔

شرارا زخاکِ من خیزد کجا ریزم کرا سوزم | غلط کردی کہ در جانم فگندی سوزِ مشتاقی

شاید اسی دل شکنی کے عالم میں انھوں نے اپنی وہ نظم لکھی ہے جو "ایک آرزو" کے عنوان سے "بانگ درا" میں درج ہے اور جو اس طرح شروع ہوتی ہے:۔

دُنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب | کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

اس نظم کا مقابلہ غالب کی اس مشہور نظم سے کیجیے جس کے دو شعر یہ ہیں:۔

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو | ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

غالب کے اشعار ایک ایسے دل سے نکلے ہیں جو یاس اور نا اُمیدی کی انتہائی حد کو پہنچ گیا ہے۔ اقبال چونکہ آیۂ "لاتقنطو" پر کامل ایمان رکھتے ہیں اس لیے تاریک اور گہرے بادلوں کے پیچھے بھی ان کو اُمید کی کرن نظر آتی ہے اور دل کے بجھ جانے اور انسانوں کی محفل سے اُکتا جانے کے باوجود وہ بزم قدرت کی رنگینیوں سے محظوظ ہوتے ہیں اور بے نوحہ خواں مرنے کی تمنا کی بجائے کسی بے سروساماں، اور بھولے بھٹکے مسافر کے کام آنے کی آرزو کرتے ہیں کنج تنہائی میں بھی وہ پناہ لیتے ہیں تو بے فکری کی موت کے لیے نہیں بلکہ خاموشی میں تاروں کو اپنے نالے سُنانے کے لیے۔

آخر دم تک اقبال کی یہی دعا تھی کہ ان کے کلام کے اثر سے مُردہ انسان بھی زندہ ہو جائیں اور زمین و آسمان کی قسمت بدل جائے چنانچہ "ارمغانِ حجاز" کی رباعیوں میں کہتے ہیں:۔

زمن ہنگامۂ دہ ایں جہاں را
دگرگوں کن زمین و آسماں را
زِ خاکِ ما دگر آدم برانگیز
بکش ایں بندۂ سود و زیاں را

عطا کن شورِ رومی سوزِ خسرو
عطا کن صدق و اخلاص سنائی
چناں با بندگی در ساختم من
نگیرم گر مرا بخشی خدائی

جہانِ نست در دست خسے چند
کساں او نہ بند ما کسے چند
بیر در درمیانِ کارگاہاں
کشند خود را بہ عیش کرکسے چند

یکے اندازہ کن سود و زیاں را
چو جہت جاودانی کن جہاں را
نمی بینی کہ ما خاکی نہاداں
چہ خوش آراستیم ایں خاکداں را

تو می دانی حیاتِ جاوداں چیست
نمی دانی کہ مرگِ ناگہاں چیست
زِ اوقاتِ تو یک دم کم نہ گردد
اگر من جاوداں باشم زیاں چیست

به پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر — شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ مارا — حسابِ من زِ چشمِ او نہاں گیر

بدن وا ماند جانم در تگ و پوست — سوئے شہرے کہ در بطحا رہِ اوست
تو باش ایں جا و با خاصاں بیامیز — کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست

چناں از خود بروں آوردہ کیست — جمالش جلوہ بے پردہ کیست
مرا گوئی کہ از شیطاں حذر کن — بگو با من کہ او پردہ کیست

دلِ بے قیدِ من در پیچ و تابیست — نصیبِ من عتابے یا خطابیست
دلِ ابلیس ہم نتوانم آزرد — گناہِ گاہ گاہِ من صوابیست

مئے من از تنک جاماں نگہ دار — شرابِ پختہ از خاماں نگہ دار
شراب از نیستانے دور تر بہ — بخاصاں بخش از عاماں نگہ دار

ترا از کشمکش اندر طلب نیست — ترا ایں درد و داغ و تاب و تب نیست
از آں از لامکاں بگریختم من — کہ آں جا نالہ ہائے نیم شب نیست

نخواہم ایں جہان و آں جہاں را — مرا ایں بس کہ دانم رمزِ جاں را
سجودے دہ کہ از سوز و سرورش — بوجد آرم زمین و آسماں را

نگاہِ تو عتاب آلود تا چند بتانِ حاضر و موجود تا چند
دریں بتخانۂ اولادِ براہیم نمک پروردۂ نمرود تا چند

خدا سے شوخیاں اور ناز و نیاز کرنا، اور حُسنِ ادا سے شکایت کو شکر بنا دینا اقبال کا ایک لازوال کارنامہ ہے جس کا جواب مشرق و مغرب کی شاعری میں کہیں نہیں ملتا۔ اس قسم کی ایک مثال عمر خیام کی اس رباعی میں ملتی ہے جو اس نے اپنے پیالے کے گر کر ٹوٹ جانے پر کہی تھی:۔

ابریق مے مرا شکستی ربی بر من درِ عیش را بہ بستی ربی
بر خاک بریختی مے ناب مرا من مست نیم ولے تو مستی ربی

لیکن اقبال کے ہاں اس کا کچھ اور ہی عالم ہے جس کی کیفیت چند نمونوں سے کافی طور پر واضح ہو جائے گی۔ اس کی سب سے پہلی اور شاید سب سے زیادہ اہم مثال اس لافانی مسدّس میں ملتی ہے جو "شکوہ" کے نام سے زبانِ زدِ خاص و عام ہے اور اس میں وہ کہتے ہیں:۔

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو
اے خدا شکوۂ اربابِ وفا بھی سُن لے خُوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سُن لے

اسی طرح دوسری جگہ وہ کہتے ہیں:۔

چُپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا مُنہ بند
گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

اقبال کی اس شوخی پر جب فرشتوں کو بھی حیرت ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ:۔

غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں
اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے
عالمِ کیف ہے دانائے رموزِ کم ہے ہاں مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے
ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو

اس کا جواب اقبال کس لطیف پیرایہ میں دیتے ہیں:۔

رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بے باکی　　　ہر شوق نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بے باک

اقبال کی یہ شوخی یا بے باکی ایک ناز ہے جو کبھی کبھی عاشق اپنے محبوب سے کرتے ہیں

اقبال جب اپنے کو کائنات میں اکیلا محسوس کرتے ہیں اور ہمدم کی تلاش میں زمین کے سمندر اور پہاڑ یا آسمان کے چاند اور ستاروں کو مخاطب کرتے ہیں اور ان سے کوئی جواب نہیں پاتے تو خدا کی بارگاہ میں فریاد لیکر آتے ہیں:۔

شدم بہ حضرت یزداں گذشتم از مہ و مہر　　　کہ در جہانِ تو یک ذرّہ آشنایم نیست

جہاں تہی ز دل و مشت خاک من ہمہ دل　　　چمن خوش است و لے در خور نوایم نیست

تبسمے بہ لب او رسید و ہیچ نہ گفت

پھر کہتے ہیں کہ انسان میں سوز و ساز ہے خدا میں نہیں:۔

تب و تاب فطرت ما ز نیاز مندی ما　　　تو خدائے بے نیازی نرسی بسوز و سازم

اسی مضمون کو ارمغان حجاز کی رباعیوں میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

ترا ایں کشمکش اندر طلب نیست　　　ترا ایں درد و داغ و تاب و تب نیست

ازاں از لامکاں بگریختم من　　　کہ آں جا نالہ ہائے نیم شب نیست

تو می دانی حیات جاوداں چیست　　　نمی دانی کہ مرگ ناگہاں چیست

ز اوقات تو یک دم کم نہ گردد　　　اگر من جاوداں باشم زیاں چیست

خدا سے کہتے ہیں کہ تو خدائی کرتے کرتے تھک گیا ہے تھوڑی دیر میرے سینے میں آرام لے:۔

در سینۂ من دمے بیاسائے　　　از محنت و کلفت خدائے

ایک دوسری نظم میں وہ خدا سے اس طرح خطاب کرتے ہیں کہ اگر تو چاہتا ہے کہ میں تیرے نظارہ کے لیے اپنی خودی کھو بیٹھوں تو یہ سودا بہت مہنگا ہے۔ میری خودی تیرے نظارہ سے زیادہ قیمت رکھتی ہے:۔

اگر نظارہ از خود رفتگی آرد حجاب اولی　　　نگیرد با من ایں سودا بہا از بس گراں خواہی

نگاہِ بے ادب زد رخنہ ہا در چرخ مینائی　　　دگر عالم بنا کن گر حجابے درمیاں خواہی

چناں خود را نگہ داری کہ با ایں بے نیازی ہا | شہادت بر وجود خود ز خون دوستاں خواہی
مقام بندگی دیگر مقام عاشقی دیگر | ز نوری سجدہ می خواہی ز خاکی بیش ازاں خواہی

ایک اور موقع پر وہ خدا کی بے وفائی کی شکایت کرتے ہیں :-

آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی | در بیابان جنوں بردی و رسوا ساختی
جرم ما از دانۂ تقصیر او از سجدۂ | نے بآں بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی
صد جہاں می روید از کشت خیال ما چو گل | یک جہان و آں ہم از خون تمنا ساختی
طرح نو افگن کہ ما جدت پسند افتادہ ایم | ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی

آخری شعر میں کہتے ہیں کہ یہ دُنیا ایک کھلونا ہے، خدا کی قدرت کا شایانِ شان نمونہ نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ یہ مٹی کا پتلا بنانا خدا کا کام نہیں ہے ایک پختہ تر آدم بنا :-

نقش دگر طراز دہ آدم پختہ تر بیار | لعبت خاک ساختن می نسزد خدائے را

اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ کہتے ہیں کہ یہ ساری دُنیا جب تک ہمارے معیار پر پوری نہ اُترے مکمل نہیں ہو سکتی :-

عالم آب و خاک را بر محک دلم بسائے | روشن و تار خویش را گیر عیار ایں چنیں

کبھی وہ خدا سے کہتے ہیں کہ تو نے یہ کراماً کاتبین جو ہم پر مقرر کر رکھے ہیں اس سے کیا فائدہ۔ تو نے ہمیں اس دُنیا میں اتنی مہلت ہی کہاں دی ہے کہ ہم کچھ گناہ کر سکیں :-

گناہ ما چہ نویسند کاتبانِ عمل | نصیب ما ز جہان تو جز نگاہے نیست

انسانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ دُنیا میں اس طرح جیو کہ اگر ہماری موت دائمی موت ہے تو خدا کو بھی شرم آئے کہ اس نے ایک ایسی بہترین مخلوق کو فنا ہونے دیا :-

چناں بزی کہ اگر مرگ ماست مرگ دوام | خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد

وہ کبھی خدا سے اس کے بخل کی شکایت کرتے ہیں :-

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے | بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم | بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

دُنیا اور مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت پر خدا کو اس طرح متنبہ کرتے ہیں :-

اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا! مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا!
اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی خطا کس کی ہے یارب! لامکاں تیرا ہے یا میرا!
اُسے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر؟ مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا!
محمدؐ بھی ترا جبریلؑ بھی قرآن بھی تیرا مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا!
اسی کوکب کی تابانی سے ہے روشن جہاں تیرا زوالِ آدمِ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا!

اسی طرح "بالِ جبریل" کی ایک دوسری نظم میں خدا سے فریاد کرتے ہیں :۔

اثر کرے نہ کرے سُن تو لے مری فریاد نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد
یہ مشتِ خاک یہ صرصر یہ وسعتِ افلاک کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجاد
ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمۂ گل یہی ہے فصلِ بہاری؟ یہی ہے بادِ مراد؟
قصور وار غریب الدیار ہوں لیکن ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد
مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیاد
خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد
مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں انھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

اقبال اپنی اور خدا کی دُنیا کا مقابلہ کرتے ہیں :۔

تری دُنیا جہانِ مرغ و ماہی مری دُنیا فغانِ صبح گاہی
تری دُنیا میں میں محکوم و مجبور مری دُنیا میں تیری بادشاہی

اسی طرح "ارمغانِ حجاز" میں خدا سے کہتے ہیں کہ تو اپنی جنت کا مقابلہ ہماری اس دُنیا سے کر جس کو ہم نے آراستہ کیا ہے اور دیکھ کہ دونوں میں کون بہتر ہے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ تو اس دُنیا کو بھی جنت کی طرح جاودانی بنا دے :۔

یکے اندازہ کن سود و زیاں را بجو جنت جاودانی کن جہاں را
نمی بینی کہ ما خاکی نہاداں چہ خوش آراستیم ایں خاکداں را

جب وہ کونین پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ دُنیا و آخرت دونوں ان کو پسند نہیں آتے کیوں کہ :۔

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دُنیا نہ وہ دُنیا یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

خدائی اور بندگی کا فرق بتلاتے ہیں :۔

خدائی اہتمام خشک و تر ہے — خداوندا خدائی دردِ سر ہے
و لیکن بندگی! استغفر اللہ — یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

اگر وہ شکایت کرتے ہیں تو خدا کو بُرا ماننے کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ اسی نے ان کو یہ تابِ سخن دی ہے:۔

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک — تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی
ہو نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل — کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی؟

ان کا جنون ایسا ہے کہ وہ قیامت کے دن بھی خدا سے نپٹ لے گا:۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا — یا اپنا گریباں چاک، یا دامنِ یزداں چاک

اپنی اور غیر قوموں کی حالت کا فرق خدا سے بیان کرتے ہیں:۔

یارب یہ جہانِ گذراں خوب ہے لیکن — کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنرمند
گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ — دُنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو خداوند
تو برگ گیاہے نہ دہی اہلِ خرد را — اوکشت گل و لالہ بہ بخشد بخرے چند
حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مئے گلگوں — مسجد میں دھرا کیا ہے بجز موعظہ و پند
احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پازند
فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا — افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

"ضربِ کلیم" میں شکر و شکایت ایک ساتھ کرتے ہیں:۔

میں بندۂ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا — رکھتا ہوں نہاں خانۂ لاہوت سے پیوند
اک ولولۂ تازہ دیا میں نے جہاں کو — لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
تاثیر ہے یہ میرے نفس کی کہ خزاں میں — مرغانِ سحر خواں مری صحبت میں ہیں خورسند
لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے — جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

آدم شیطان کے دھوکے میں آتے ہیں تو اقبال کس مدلل پیرایہ میں عذرداری پیش کرتے ہیں:۔

جہاں از خود بروں آوردہ کیست — جمالش جلوۂ بے پردہ کیست؟
مرا گوئی کہ از شیطاں حذر کن — بگو با من کہ او پروردہ کیست؟

اقبال نے خدا جی سوال و جواب کیے۔ ایسے میں خدائے تعالیٰ کو انسان کا ہم سخن بنا لیا ہے بلکہ ان کا تو اعتقاد تھا کہ انسان ہی کیا یہ جھاڑ اور پہاڑ بھی خدا سے باتیں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:۔

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تیری — شجر حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

اسی بنا پر جب وہ "شکوہ" اور دوسری نظموں میں اپنی صدائے فریاد بلند کرتے ہیں تو ان کے نالے عرش سے جا کر ٹکراتے ہیں:۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے — پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے — خاک سے اُٹھتی ہے گردوں پہ گذر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا

پھر ناممکن تھا کہ یہ فغانِ نیم شبی بے اثر رہ جائے اور اس کا کوئی جواب نہ آئے، چنانچہ آخر کار جو پردے خالق و مخلوق میں حائل تھے وہ اُٹھ جاتے ہیں:

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر — کرتے ہیں خطاب آخر، اُٹھتے ہیں حجاب آخر

پھر سب سے پہلے جو آواز ان کے کانوں میں آتی ہے وہ "جوابِ شکوہ" میں درج ہے:۔

آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا — اشکِ بیتاب سے لبریز ہے پیمانہ ترا
آسماں گیر ہوا نعرۂ مستانہ ترا — کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا
شکر شکوے کو کیا حُسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

"شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" اس صنف میں ان کی فن کاری کے بہترین نمونے ہیں، لیکن اسی قسم کی متعدد مثالیں ان کی دوسری تصنیفوں میں بھی ملتی ہیں، چنانچہ "پیامِ مشرق" میں خدا، اور انسان کا ایک مکالمہ درج کیا ہے جس میں خدا انسان کو ملزم ٹھیراتا ہے کہ تو نے میری دُنیا کو تباہ کر دیا، انسان جواب دیتا ہے کہ نہیں میں نے تو تیری دُنیا کو دوزخ سے جنّت بنا دیا، خدا کہتا ہے:۔

جہاں را زِ یک آب و گل آفریدم — تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پر درد ناب آفریدم — تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہالِ چمن را
قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

انسان جواب دیتا ہے:۔

تو شب آفریدی، من چراغ آفریدم — سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی — خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

کسی قدر مزاحیانہ انداز میں وہ خدا سے اس وقت مخاطب ہوتے ہیں جب ایک مُلّا کو جنت میں لے جانے کا حکم ملتا ہے:۔

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا   حق سے جب حضرتِ مُلّا کو مِلا حکمِ بہشت
عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف   خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت
نہیں فردوس مقامِ جدل و قال و اقول   بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزیِ اقوام و ملل کام اس کا   اور جنّت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

خدائے تعالیٰ سے سوال و جواب کی ایک بہترین مثال اقبال نے "جاوید نامہ" میں پیش کی ہے جس میں ان کے سارے فلسفۂ حیات کا نچوڑ موجود ہے۔ افلاک کی سیر کرتے ہوئے اور فردوس بریں سے گزر کر جب وہ حضور باری میں پہنچتے ہیں تو اس کرۂ خاکی کی موجودہ حالت کی طرف توجہ دلاتے ہیں:۔

عشقِ جاں را لذتِ دیدار داد   باز با نم جرأتِ گفتار داد
اے دو عالم از تو با نور و نظر   اندکے آں خاکداں را نگر
بندۂ آزاد را ناسازگار   بردمد از سنبل او نیش خار
از مُلوکیت جہانِ تو خراب   تیرہ شب در آستینِ آفتاب
دانشِ افرنگیاں غارت گری   دیرہا خیبر شد از بے حیدری
آنکہ گوید لا الٰہ بیچارہ ایست   فکرش از بے مرکزی آوارہ ایست
چار مرگ اندر پے ایں دیر میر   سود خوار و والی و مُلّا و پیر
ایں چنیں عالم کجا شایانِ تست   آب و گِل داغ کہ بر دامانِ تست

اس کے جواب میں ذاتِ باری کی طرف سے ندائے جمال آتی ہے جس میں تخلیقِ عالم کی حقیقت بتلائی گئی ہے اور اپنی دُنیا آپ پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے:۔

کلکِ حق از نقش ہائے خوب و زشت   ہر چہ مارا سازگار آمد نوشت
چیست بودن دانی اے مردِ نجیب   از جمالِ ذاتِ حق بردن نصیب
آفریدن؟ جستجوئے دلبرے   وانمودن خویش را بر دیگرے
ایں ہمہ ہنگامہ ہائے ہست و بود   بے جمالِ ما نیاید در وجود

زندگی ہم فانی و ہم باقی است — این ہمہ خلاقی و مشتاقی است
زندهٔ! مشتاق شو خلاق شو — ہمچو ما گیرندۂ آفاق شو
در شکن آں را کہ ناید ساز گار — از ضمیرِ خود دگر عالم بیار
بندۂ آزاد را آید گراں — زیستن اندر جہانِ دیگراں
ہر کہ او را قوتِ تخلیق نیست — پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست
از جمالِ ما نصیبِ خود نبرد — از نخیلِ زندگانی برنخورد

مردِ حق برندہ چوں شمشیر باش
خود جہانِ خویش را تقدیر باش

اقبال پھر عرض کرتے ہیں کہ جو قوم ایک مرتبہ مُردہ ہو چکی وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتی ہے:-

چیست آئینِ جہانِ رنگ و بو — جز کہ آبِ رفتہ می ناید بجو
زندگانی را سرِ تکرار نیست — فطرتِ او خوگرِ تکرار نیست
زیرِ گردوں رجعت او را نا روا است — چوں ز پا افتاد قومے بر نخاست

ملتے چوں مُرد کم خیزد ز قبر
چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر

اس کا جواب دیتے ہوئے باری تعالیٰ کہتا ہے زندگی کا راز وحدتِ افکار و کردار میں پوشیدہ ہے:-

زندگانی نیست تکرارِ نفس — اصلِ او از حی و قیوم است و بس
فرد از توحید لاہوتی شود — ملت از توحید جبروتی شود
بے تجلی نیست آدم را ثبات — جلوۂ ما فرد و ملت را حیات
ہر دو از توحید می گیرد کمال — زندگی این را جلال آں را جمال
چیست ملت اے کہ گوئی لا الٰہ! — با ہزاراں چشم بودن یک نگہ
اہلِ حق را حجت و دعوے یکے ست — خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے ست
ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب — یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب
ملتے چوں می شود توحید مست — قوت و جبروت می آید بدست

روحِ ملت را وجود از انجمن
روحِ ملت نیست محتاجِ بدن

مردۂ؟ از یک نگاہی زندہ شو
بگذر از بے مرکزی پایندہ شو

وحدتِ افکار و کردار آفریں
تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

پھر اقبال حقیقتِ عالم اور انسان کی مجبوری کے متعلق سوال کرتے ہیں :-

من کیم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست
درمیانِ ما و تو دوری چراست!

من چرا در بندِ تقدیرم بگوئے
تو نہ میری من چرا میرم بگوئے!

جواب ملتا ہے کہ مجبوری کا علاج انسان کی خودی میں ہے :-

بودۂ اندر جہانِ چار سو
ہر کہ گنجد اندر و میرد درو

زندگی خواہی خودی را پیش کن
چار سو را غرق اندر خویش کن

باز بینی من کیم تو کیستی
در جہاں چوں مردی و چوں زیستی

آخر میں اقبال مشرق و مغرب کی تقدیر معلوم کرنا چاہتے ہیں :-

یورشِ ایں مرد ناداں در پذیر
پردہ را از چہرۂ تقدیر گیر

انقلاب روس والماں دیدہ ام
شور در جانِ مسلماں دیدہ ام

دیدہ ام تدبیر ہائے غرب و شرق
وانما تقدیر ہائے غرب و شرق

اس کے جواب میں اقبال نے باری تعالیٰ کا جو پیام منظوم کیا ہے وہ زبان، خیالات اور تغزل کے لحاظ سے فن کاری اور قادر الکلامی کا بہترین نمونہ ہے :-

بگذر از خاور و افسونیٔ افرنگ مشو
کہ نیرزد بجوئے ایں ہمہ دیرینہ و نو

آں نگینے کہ تو با اہرمناں باختۂ
ہم بجبریل امینے نتواں کرد گرو

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است
اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ رو

تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدۂ
آنچناں زی کہ بہر ذرہ رسانی پرتو

چوں پر کاہ کہ در رہ گذر باد افتاد
رفت اسکندر و دارا و قباد و خسرو

لے تنگ جامئی توئے کدہ رسوا گردید
شیشۂ گیر و حکیمانہ بیاشام و برو

حُسن اور خدا کا جو مکالمہ "بانگ درا" میں درج ہے اس کا شمار اقبال کی بہترین نظموں میں ہوتا ہے:۔

خدا سے حُسن نے اک روز یہ سوال کیا ۔۔۔ جہاں میں تو نے مجھے کیوں نہ لازوال کیا!
ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دُنیا ۔۔۔ شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دُنیا
ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

آخر میں ہم اقبال کے اس کلام کا نمونہ پیش کریں گے جس میں ؎

"خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں ۔۔۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں"

پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے بعض جگہ تخیل اور شاعرانہ قوت سے کام لے کر اپنے خیالات کو ذاتِ باری تعالیٰ کے روبرو ابلیس، آدم، لینن وغیرہ کی زبانی پیش کیا ہے اور ان میں ایسے ایسے لطیفے پیدا کیے ہیں جو تخلیقی آرٹ کی بہترین مثال ہیں۔

"پیامِ مشرق" کی ایک رباعی میں ایک برہمن خدا پر طعن کرتا ہے کہ بُت آدمی سے زیادہ دیرپا ہیں اور اگر تو نے انسان کو سجدہ کرایا تو میرا بُت کو سجدہ کرنا کیوں جُرم ہے:۔

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت ۔۔۔ فروغِ زندگی تابِ شرر بود
ولیکن گر نہ رنجی با تو گویم ۔۔۔ صنم از آدمی پاینده تر بود

خدا جب ابلیس کو حُکم دیتا ہے کہ آدم کو سجدہ کر تو ابلیس کا انکار ان الفاظ میں پیش کیا ہے:۔

نوری نادان نیم سجدہ بآدم برم ۔۔۔ او بہ نہاد است خاک من بہ نژاد آذرم
می تپد از سوزِ من خونِ رگِ کائنات ۔۔۔ من بہ دو صرصرم، من بہ غو تندرم
رابطۂ سالمات، ضابطۂ امہات ۔۔۔ سوزم و سازے دہم آتشِ مینا گرم
پیکرِ انجم زِ تو، گردشِ انجم زِ من ۔۔۔ جاں بجہاں اندرم، زندگیٔ مضمرم
تو بہ بدن جاں دہی، شور بجاں من دہم ۔۔۔ تو بہ سکوں رہزنی، من بہ تپش رہبرم
آدمِ خاکی نہاد، دوں نظر و کم سواد ۔۔۔ زاد در آغوشِ تو پیر شود در برم

قیامت کے دن آدم حضور باری میں عذرداری پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے جنت میں جو قصور کیا تھا وہ ایک مصلحت پر مبنی تھا، اور یہ کہ انسان نے دنیا کی ساری توتوں کو مسخر کیا، اور آخر میں اہرمن کو سجدہ کرا کر ہی چھوڑا۔

اے کہ زخورشیدِ تو کوکب جاں مستنیر	از دلم افروختی شمع جہانِ ضمیر
ریخت ہنرہائے من بحر بیک نائے آب	تیشۂ من آورد از جگر خارہ شیر
زہرہ گرفتار من، ماہ پرستار من	عقلِ کلاں کار من، بہر جہاں دار وگیر
من بہ زمیں در شدم، من بفلک بر شدم	بستۂ جادوئے من ذرّہ و مہرِ منیر
گرچہ فسونش مرا بُرد ز راہِ صواب	از غلطم در گذر، عذر گناہم پذیر
رام نگردد جہاں تا نہ فسونش خوریم	جز بکمندِ نیاز، ناز نہ گردد اسیر
تا شود از آہ گرم ایں بتِ سنگیں گداز	بستن زنارِ او بود مرا ناگزیر

عقل بدام آورد فطرتِ چالاک را

اہرمن شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

ایک مردِ شکستہ بیں مرنے کے بعد خدا کے پاس فریاد لے آتا ہے کہ ملک الموت کو جان لینے کا فن نہیں آتا اس کو ملک فرنگ روانہ کر تاکہ اس فن کو اچھی طرح سیکھ کر آئے:-

نفنگش بہ کشتن چناں تیز دست	کہ افرشتۂ مرگ را دم گسست
فرست ایں کہن ابلہ را در فرنگ	کہ گیرد فنِ کشتن بے درنگ

ابلیس بارگاہِ ایزدی میں نالہ کرتے ہوئے آتا ہے کہ ابن آدم کا شکار کرنے میں مجھے کوئی لطف نہیں آتا اور بغیر مزاحمت اور مقابلے کے فتح کرتے کرتے بیزار ہو گیا ہوں، کوئی ایسا مردِ خدا بھیج جو میرا مقابلہ کرے اور مجھے ٹھکرا دے تاکہ اس شکست میں مجھے کچھ مزہ ملے:-

اے خدا وندِ صواب و ناصواب	من شدم از صحبتِ آدم خراب
ہیچ گہ از حکمِ من سر بر نتافت	چشم از خود بست و خود را در نیافت
خاکش از ذوقِ ابا بیگانۂ	از شرارِ کبریا بیگانۂ
صید خود صیاد را گوید بگیر	الاماں از بندۂ فرماں پذیر

از چنیں صیدے مرا آزاد کن | طاعت دیروزۂ من یاد کن
پست از و آں ہمتِ والائے من | وائے من اے وائے من اے وائے من
فطرتِ او خام و عزمِ او ضعیف | تابِ یک ضربم نیارد ایں حریف
بندۂ صاحب نظر باید مرا | یک حریفِ پختہ تر باید مرا
لعبتِ آب و گل از من باز گیر | می نیاید کودکی از مرد پیر
ابنِ آدم چیست؟ یک مشتِ خس است | مشتِ خس را یک شرار از من بس است
اندریں عالم اگر جز خس نبود | ایں قدر آتش مرا دادن چہ سود
شیشہ را بگداختن عکارے بود | سنگ را بگداختن کارے بود
آں چناں تنگ از فتوحات آدمم | پیش تو بہرِ مکافات آدمم
منکرِ خود از تو می خواہم بدہ | سوئے آں مردِ خدا راہم بدہ
بندۂ باید کہ پیچد گردنم | لرزہ اندازد نگاہش در تنم
آں کہ گوید از حضورِ من برو | آں کہ پیشِ او نیرزم با دو جو

اے خدا یک زندہ مردِ حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست

اسی طرح ایک دوسری مرتبہ ابلیس عرضداشت لیے ہوئے آتا ہے کہ خود انسانوں میں بہت سے ابلیس سیاست دانوں کی شکل میں موجود ہیں، اب دُنیا میں میری ضرورت باقی نہیں ہے:-

کہتا تھا عزازیل خداوندِ جہاں سے | پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک
جاں لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب | دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک
ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت | مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پاک
تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی | ویرانیٔ جنت کے تصور سے ہے غمناک
جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست | باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک

حدیثِ دیگراں کے سلسلے میں اعلیٰ ترین مثال وہ ہے جو "بالِ جبریل" میں لینن اور خدا کے مکالمے کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ لینن خدا کے حضور میں عرض کرتا ہے:-

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات
حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات

میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات

محرم نہیں فطرت کے سرودِ ازلی سے
بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے
تو خالقِ اعصار و نگارندۂ آنات

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
حل کر نہ سکے جس کو حکیموں کے مقالات

جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا
جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

وہ کونسا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات!

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندۂ فلزات

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات

رعنائیٔ تعمیر میں، رونق میں، صفا میں
گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بنکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

بے کاری و عریانی و مےخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر
تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات

میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سرِ شام
یا غازہ ہے یا ساغر و مینا کی کرامات

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات

لینن کی ان شکایتوں کو سن کر خدا، فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ وہ دنیا میں جا کر تحقیقات کریں کہ واقعی یہ شکایتیں

صحیح ہیں یا نہیں۔ فرشتے واپس آکر عرض کرتے ہیں:۔

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
نقشِ ازل ترا نقش ہے نا تمام ابھی

خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

تیرے امیر مال مست تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بلند بام ابھی

دانش و دین و علم و فن بندگیٔ ہوس تمام
عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی

جوہرِ زندگی ہے عشق جوہرِ عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیٔ نیام ابھی

لینن کی شکایتوں کی جب اس طرح تصدیق ہو جاتی ہے تو فرشتوں کو حکم دیتا ہے:۔

اُٹھو مری دُنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ اُمرا کے در و دیوار ہلا دو

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

سُلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو

حق را بسجودے صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو

تہذیبِ نوی کارگۂ شیشہ گراں ہے
آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سکھا دو

یہ ہے خدا، اور بندے کا وہ معاملہ جس کو اقبال نے مختلف پہلوؤں سے باندھا ہے۔ ہم نے اس مضمون میں صرف اس کلام پر بحث کی ہے جس میں دو بدو خدا سے خطاب کیا گیا ہے۔ اقبال کے کلام کا ایک بڑا حصہ ان شعروں اور نظموں پر مشتمل ہے جن میں ذات باری تعالیٰ اور اس کی مختلف صفتوں کا صیغۂ غایب میں ذکر ہے۔ اس قسم کا کلام ان کی ابتدائی تصنیفوں کے مقابلے میں آخری تصنیفوں میں زیادہ پایا جاتا ہے اور وحدت کا رنگ آخر میں ان پر اس قدر چڑھ گیا تھا کہ اگر اور چند سال زندہ رہتے تو شاید کلیتہً خدا سے ہی مخاطب رہتے۔ لیکن اس کے باوجود ان کو احساس تھا کہ انھوں نے جو کچھ کہا اس کے مقابلے میں جو وہ کہنا چاہتے ہیں کچھ حقیقت نہیں رکھتا، کیونکہ انسان کی مختصر زندگی اس کے لیے ناکافی ہے اور اس کے علاوہ کوئی ہستی انسانوں میں ایسی نہیں ہے جس سے وہ ان رموز کو کہہ سکیں اور جو ان کی اس امانت کا حامل ہو سکے:۔

رمزِ عشقِ تو بار بابِ ہوس نتواں گفت — سخن از تاب و تبِ شعلہ بخس نتواں گفت
تو مرا ذوقِ بیاں دادی و گفتی کہ بگوے — ہست در سینۂ من آنچہ بکس نتواں گفت
شوق اگر زندۂ جاوید نہ باشد عجب است — کہ حدیثِ تو دریں یک دو نفس نتواں گفت

رضی الدین صدیقی

مونادانی تصوّریت

فلاطون اور برکلے کی تصوریت کے سوا ایک اور قسم کی تصوریت ہے جس کو جرمن فیلسوف "لائبنز" (گاٹفریڈ ولہلم نان) (۱۶۴۶ء تا ۱۷۱۶ء) نے پیش کی ہے۔ فلاطون نے ذہن کو کائنات میں سب سے زیادہ اہم حقیقت قرار دیا تھا، ذہن معانی یا اقدار پر مشتمل تھا، اس کی تصوریت کو نصب العینوں کی تصوریت (Idealism of Ideals) کہا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ اقدار نصب العین قرار دیے گئے تھے۔ برکلے کی تصوریت "تصوریت تصورات" کہلاتی ہے (Idealism of Ideas) جس کی رو سے کائنات اذہان اور اس کے تصورات پر مشتمل قرار دی گئی ہے۔ لائبنز کی تصوریت کی رو سے کائنات لاتعداد "مونادات" یا مراکز قوت پر مشتمل ہے، یہ مونادات روح جیسے جوہر ہیں جن پر موناد برتر (خدا) کی حکمرانی ہے۔ لائبنز کے نظریۂ تصوریت کو "مونادیت" (Monadism) کہا جاتا ہے۔ طلبا کو لائبنز کی مندرجۂ ذیل کتابیں پڑھنی چاہیئے :- (۱) The Discourse on Metaphysics (۲) Letters to Arnauld

(۳) Monadology (۴) The New System

پہلی دو کتابیں ایک ہی جلد میں مل جائیں گی جس کی اشاعت "اوپن کورٹ کمپنی" نے کی ہے۔ ہم یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ مونادانی تصوریت کی توضیح کرتے ہیں۔

فلسفۂ جدید کے مؤسس ڈیکارٹ کی طرح لائبنز بھی تسلیم کرتا ہے کہ میرا اور دوسری ارواح یا نفوس کا وجود پایا جاتا ہے۔ اس کے نزدیک کائنات میں غیر روحانی یا مادی موجودات کا وجود نہیں پایا جاتا۔ ہم جنھیں اشیاء مادی کہتے ہیں وہ ذہن سے خارج میں مستقل اور غیر محتاج طریقے پر پائی جاتی ہیں، یہ اپنے وجود میں ذہن کی محتاج نہیں (برعکس برکلے) لیکن جب ہم ان خارجی مادی اشیاء کی حقیقی ماہیت دریافت کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دراصل ذہنی یا روحانی ہیں۔ اس طرح کائنات میں ایک ہی قسم کی حقیقت پائی جاتی ہے اور وہ

روحانی یا ذہنی ہے۔کائنات بے شمار ارواح (موناداتِ) کی ایک جماعت پر مشتمل ہے (روحانی کثرتیت)۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ لائبنز غیر روحانی یا جسمانی یا مادّی حقایق کے وجود کے انکار میں کیا دلائل پیش کرتا ہے۔

لائبنز کے پیشرو، وجود مادہ کے قائل فلسفی، ڈیکارٹ و ہابس نے مادے کے حقیقی صفات امتداد اور حرکت قرار دیے تھے۔ ہم نے اوپر دیکھا کہ برکلے نے ان صفات کو ذہنی ثابت کیا تھا۔ اب لائبنز یہ بتلانے کی کوشش کرتا ہے کہ امتداد اور حرکت کو انتہائی حقیقت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ ایک قوت کے اظہارات ہیں اور یہ قوت اپنی ماہیت کے لحاظ سے روحانی ہے۔

لائبنز کہتا ہے کہ امتداد لامتناہی طور پر قابل تقسیم ہے، یعنے اس کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی تجریداً مزید حصص میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ اب لائبنز کا یہ دعوے ہے کہ جو شئے اپنی ماہیت کے لحاظ سے لامتناہی طور پر قابل تقسیم ہو وہ کبھی انتہائی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ بہ الفاظ دیگر 'انتہائی حقیقت' سے مراد ناقابل تحویل حقیقت ہے لہذا جو شئے غیر محدود طور پر قابل تقسیم ہے وہ انتہائی نہیں ہو سکتی۔

اب رہی 'حرکت' اس کے متعلق بات اور صاف ہے کہ یہ انتہائی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ لائبنز کہتا ہے کہ:-

> "اگر ہم حرکت کے ٹھیک رسمی معنے لیں یعنے تغیر مقامی کے معنے میں اس کو سمجھیں تو وہ کوئی حقیقی شئے باقی نہیں رہتی، اور جب کئی اجسام مقابلتاً اپنا مقام بدلتے ہیں تو پھر اجسام ہی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس امر کا تعین کرنا ممکن نہیں کہ ان میں سے کس کے ساتھ حرکت یا سکون کو متصف کیا جائے۔"

ظاہر ہے کہ جو شئے ہمیشہ کسی دوسری شئے کے ساتھ اضافت رکھتی ہو وہ انتہائی حقیقت نہیں ہو سکتی۔ حرکت تغیر مقامی کے معنے میں ایک اضافی شئے ہے لہذا وہ انتہائی حقیقت نہیں ہو سکتی۔

جب امتداد و حرکت انتہائی حقایق نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ غیر روحانی یا جسمانی اشیا جن کی ماہیت امتداد و حرکت قرار دی جاتی ہیں انتہائی حقایق نہیں ہو سکتیں۔ اب لائبنز کا خیال ہے کہ ان اشیا کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ حرکی حقایق ہیں۔ بہ الفاظ دیگر، ان کا مبدء قوت ہے۔ ڈیکارٹ کی یہ تعلیم تھی کہ حرکت کی مقدار معین ہے؛ لیکن مشاہدہ شاہد ہے کہ اجسام حرکت بھی کرتے ہیں اور ساکن بھی ہوتے ہیں: اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حرکت پیدا بھی ہوتی ہے اور فنا بھی ہوتی ہے اور یہ قانون تسلسل کے خلاف ہے۔ ایسی چیز ضرور ہونی چاہیئے جو

حرکت کے موقوف ہونے پر باقی رہے، جو حرکت کا مبدا ہو اور یہ قوت ہے اور قوت اپنی کمیت یا مقدار میں مستقل و متعین ہوتی ہے۔

اس طرح حرکت و امتداد کو ایک تحتی قوۃ کے ظواہر قرار دیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کی رو سے کائنات روحانی حقایق اور غیر روحانی ممتد و متحرک حقایق پر مشتمل نہ ہوگی بلکہ روحانی حقایق اور غیر روحانی قوتوں پر لب سوال یہ ہے کہ قوت کی کیا ماہیت ہے؟ لائبنز کہتا ہے کہ باطنی تجربے سے ہمیں صرف ایک ہی حقیقی فعّال قوۃ کا علم ہوتا ہے جو ہماری روح ہے کسی شئے کا قوت میں تصور کرنا اس کو کسی معنے میں ہماری اپنی ارادہ رکھنے والی عمل و کوشش کرنے والی ذات کی طرح سمجھنا ہے۔ لائبنز کہتا ہے کہ اس یقین سے کہ حقیقی اکائیوں کی ماہیت قوت پر مشتمل ہے" یہ لازم آتا ہے کہ ہم ان کا وہی تصور کریں جو ہمیں اپنی روح کا حاصل ہے۔"

خلاصہ یہ کہ لائبنز کا فلسفیانہ غور و فکر اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ غیر روحانی یا مادّی یا جسمانی حقایق کی اگر آخری تحلیل کی جائے تو وہ روحانی ثابت ہوتی ہیں۔ اس نتیجے کی بنیاد اس دلیل پر قایم ہے کہ مادّی یا جسمانی حقیقت کا تصور یا تو بہ حیثیت ایک ممتد و متحرک شئے کے کیا جانا چاہیئے (جیسا کہ ڈیکارٹ و ہابس نے کیا تھا)، یا بہ حیثیت قوت کے لیکن چونکہ امتداد لامتناہی طور پر قابلِ تقسیم ہے اور حرکت ہمیشہ اضافی، لہذا ان کو انتہائی حقیقت نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ امتداد و حرکت کو قوت کے اظہارات یا مظاہر تصوّر کیا جانا چاہیئے اور قوت کا تصوّر روح کے سوا اور کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ لہذا ساری کائنات روحانی حقایق پر مشتمل ہے۔ لائبنز روح جیسے جوہر کو 'موناد' کہتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ 'موناد' کی اصطلاح اس نے فان ہلمنٹ سے لی ہے۔

لائبنز کی تعلیم کا پہلا حصہ تو یہی ہے جو اوپر ہم نے بیان کیا کہ انتہائی حقیقت روحانی ہے۔ اس کی تعلیم کا دوسرا حصہ جس کا وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کرتا بلکہ محض تسلیم کر لیتا ہے یہ ہے کہ کائنات کثرت پر مشتمل ہے، یعنے انتہائی حقیقت جو روحانی ماہیت رکھتی ہے کثیر مونادات پر مشتمل ہے جو ارواح کے مانند جوہر ہیں۔ اپنی فلسفیانہ تعلیم کے دوسرے حصے کے لیے لائبنز کسی ثبوت کی ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ اس کو ایک بدیہی چیز خیال کرتا ہے۔

لائبنز موناد یا 'روح جیسی حقیقت' کی چار اہم قسمیں قرار دیتا ہے:-

(۱) موناد برترین، یعنے خدا

(۲) ارواح عقلیہ (Spirits)

(۳) حساس و غیر عقلی مونادات (Souls)

(۴) سادہ موناداتِ یعنے اجسام عضویہ وغیر عضوی اجسام (Bodies)[1] . . . .

موناد برترین یا خدا سے لائبنز کی وہی مراد ہے جو ڈیکارٹ نے لی تھی یعنے ایک ایسی ذات جو لامحدود اور کامل و اکمل ہے، جو قادرِ مطلق، حکیم مطلق وخیرِ مطلق ہے خدا کے وجود کے دلائل جو لائبنز پیش کرتا ڈیکارٹ کے دلائل سے قریبی مشابہت رکھتے ہیں۔ خدا کے کامل ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کی خلق کردہ دُنیا بھی بہترین دُنیا ہے۔ لائبنز مغربی فلسفے میں رجائیت کے ایک عظیم الشان نظام کا بانی ہے[2] اس کے نزدیک ہماری دُنیا سب سے بہتر دُنیا ہے جہاں شر سے زیادہ خیر اور غم سے زیادہ راحت ہے۔

تمام محدود موناداتِ خدا کے محتاج ہیں جو ان کا خالق ہے تخلیق کی مثال صاف طور پر پیدائش افکار سے دی گئی ہے۔ خدا سے محدود موناداتِ کا صدور "ایک طرح کا اشراق ہے"۔ خدا ان کو اسی طرح پیدا کرتا ہے جس طرح ہم افکار کو پیدا کرتے ہیں"۔ "کائنات میں افراد کی اس لیے کثرت ہے کہ خدا کائنات کے تمام پہلوؤں کا تمام ممکنہ طریقوں سے ملاحظہ کرتا ہے اور کائنات کے ہر منظر کے نتیجے کے طور پر جو ایک مختلف مقام سے حاصل ہوتا ہے ایک جوہر پیدا ہوتا ہے"۔[3]

"ہر موناد فعال ہے۔ جوہر وہ نہیں جو اپنی ذات سے قایم ہو (جیسا کہ اسپنوزا نے کہا تھا) بلکہ جوہر وہ ہے جو اپنی ذات سے فاعل ہو یا جو اپنی تغیرِ حالات کا مبدء اپنی ہی ذات میں رکھتا ہو"۔ "جوہر وہ ہستی ہے جو فعلیت کے قابل ہے"۔ فعلیت دو وجود کے ایک کر دینے سے انفرادی اشیاء میں پھر جو ہریت پیدا ہو گئی جس کو اسپنوزا نے (جوہر کی قایم بالذات شئے تعریف کر کے) ان سے چھین لیا تھا۔ اپنی باطنی فعلیت کی وجہ سے ہر موجود شئے ایک متعین فرد قرار پاتی ہے جو ہر دوسری شئے سے مختلف ہے۔ جوہر وہ انفرادی ہستی ہے جو قوت سے متصف ہے۔

ہر موناد، دوسرے موناد سے مطلقاً علیحدہ اور جدا ہوتا ہے۔ "ہر انفرادی جوہر ایک علیحدہ دُنیا ہے اور سوائے خدا کے ہر شئے سے غیر محتاج"۔ "یہ نہ کسی پر عمل کرتا ہے اور نہ کسی کا معروض عمل بنتا ہے"۔ موناداتِ کے دریچے نہیں ہوتے جن میں سے کوئی چیز آسکے یا جاسکے"۔ لائبنز کے اس دعوے کی تائید مطالعۂ باطن سے ہوتی ہے۔ جب میں اپنی ذات پر غور کرتا ہوں تو یہ پاتا ہوں کہ میں ایک یگانۂ روزگار فرد ہوں، میری ذات اور دوسروں کی ذات میں ایک خلیج حائل ہے۔

---

[1] دیکھو مونا ڈالوجی بند ۱۹ — ۲۹۔

[2] دیکھو رجائیت پر لائبنز کی مشہورِ عالم کتاب (Theodicy) جو اس نے شہزادی سوفیا چارلٹ کے لیے لکھی تھی۔

[3] دیکھو لائبنز کی (Discourse) بند چہاردہم نیز مقابلہ کرو بند ۳۲ یہاں کالکنس کی کتاب محولہ کا مطالعہ مفید ہوگا۔

بالکل مجھ سا کوئی فرد نہیں۔ موناد ات کی اس تجرید و علیحدگی سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ ناقابلِ فنا اور ازلی ہیں۔ کیوں کہ اگر یہ اپنے سے کسی خارجی شئے سے متاثر ہی نہیں ہو سکتے تو یہ نہ فنا ہو سکتے اور نہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ لائبنز کہتا ہے کہ "معجزہ ہی کی رُو سے کسی جوہر کی ابتدا یا انتہا ہو سکتی ہے۔"

ہر موناد ساری کائنات کا آئینہ ہے۔ یعنے ہر موناد ادراک کی قوت رکھتا ہے اور وہ ساری کائنات کا ادراک کرتا ہے اور اس کا اظہار کرتا ہے۔ اس معنے کی رُو سے وہ ایک عالم اصغر ہے "کائنات کا زندہ آئینہ"۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ "ہر شئے ان تمام چیزوں کا احساس کرتی ہے جو ساری کائنات میں وقوع پذیر ہو رہی ہیں، جو شخص دیدۂ بینا رکھتا ہے وہ ہر شئے میں سب کچھ دیکھ سکتا ہے جو دوسری جگہ وقوع پذیر ہو رہا ہے اور نیز جو کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے اور ہونے والا ہے، اس طرح حال کے آئینہ میں زمان و مکان کے بعید واقعات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔" "جو شخص کسی بھی موناد کے پردوں کو کھول سکتا ہو وہ ان میں دُنیا کی ساری تاریخ پڑھ سکتا ہے۔"

بابا فضل کوہی اور درد نے شاید اسی مفہوم کو اپنے اشعار میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

در جُستن جامِ جم زکوتہ نظری — ہر لحظہ گمانے نہ بہ تحقیق بری
رَو دیدہ بدست آر کہ ہر ذرۂ خاک — جامیست جہاں نمائے چوں درنگری
(بابا فضل کوہی)

ہر گوشہ فضائے صد بیاباں دارد — ہر غنچہ بہشت خود گلستاں دارد
گر عقدۂ خاطرت کشاید بینی — ہر قطرہ بجیب خویش طوفاں دارد
(درد)

ہمیں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ لائبنز کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ "ہر موناد تمام کائنات کو اپنے طریقے پر ظاہر کرتا ہے"، بہ الفاظ دیگر، کائنات کی عکاسی کرتا ہے یا اس کا آئینہ دار ہے۔ لائبنز کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ چونکہ ہر موناد ایک دانا ہے لہٰذا وہ تمام دُنیا کا شعور رکھتا ہے، یعنے ایک حد تک ساری کائنات کو جانتا ہے۔ میں اپنی ذات میں فرد (موناد) کی علیحدگی اور اس کی ظاہرا ہم آہنگی کو جمع کرتا ہوں۔ میں ایک منفرد ذات ہوں، اپنے سے باہر نہیں ہو سکتا، اپنے تجربے سے باہر جا نہیں سکتا؛ تاہم مجھے دوسرے نفوس و اشیا کا شعور ہے۔ کائنات کا علم رکھنے کی وجہ سے میں اس کی عکاسی کرتا ہوں، تاہم میرا علم مجھے اپنی منفرد جدا ذات سے باہر نہیں لے جاتا۔

اس نظریہ کے سمجھنے میں دو مشکلات کا سامنا ہوتا ہے:۔ (۱) چونکہ میں ایک ذی شعور ہستی ہوں لہٰذا یہ صحیح طور پر کہا جا سکتا ہے کہ میں کائنات کا اپنے علم کی وجہ سے اظہار کرتا ہوں لیکن اس امر کا سمجھنا مشکل ہے کہ کس طرح ایک بے جان شئے، جیسے چٹان، کائنات کا اسی معنے میں اظہار کر سکتی ہے لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ لائبنزنے کامیابی کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ تمام حقایق ارواح ہیں (حقیقت اپنی باطنی ماہیت کے لحاظ سے روحانی ہے) تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ ذی شعور بھی ہیں۔

(۲) دوسری مشکل یہ ہے:۔ لائبنز یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ ایک محدود مونا د کو ساری کائنات کا علم ہے؟ کیونکہ کیا یہ ایک بدیہی امر نہیں کہ کسی محدود و متناہی ذات یا موناد کو ساری کائنات کا علم نہیں ہو سکتا؟ لیکن لائبنز پھر بھی کہتا ہے کہ بے شک "روح کو لامتناہی کا علم حاصل ہے، وہ سب کچھ جانتی ہے۔" اپنی اس تسلیم کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے وہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ بہت ساری چیزوں کے متعلق جن کا ہمیں صاف و واضح علم نہیں، مبہم و غیر ممیز علم ضرور ہوتا ہے۔ یہی نوعیت اس علم کی ہے جس کا ہمیں بدیہی طور پر نہیں ہوتا یا جس کا ہم منطقی طور پر انتاج نہیں کرتے۔[۱]

یہ ہیں چند خصوصیات جو تمام محدود موناوات میں پائے جاتے ہیں: پہلے تو وہ تمام خدا یا موناد مونادوں کے محتاج ہیں جو ان کا خالق ہے؛ دوسرے ہر موناد فعّال ہوتا ہے؛ تیسرے، ہر موناد دوسرے موناد سے بالکل جدا یا علٰحدہ ہوتا ہے، "اس میں کوئی دریچہ نہیں ہوتا"؛ چوتھے، ہر موناد ساری کائنات کا آئینہ دار ہوتا ہے یعنے قوۃ ادراک سے متصف ہوتا ہے اور ساری کائنات کا اپنے طریقے سے اظہار کرتا ہے۔

اب ہمیں مختلف قسم کے موناوات کا باہمی فرق ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

عقلی موناد سے لائبنز کی مراد ذات، نفس یا روح ہے جس کا ہر انسان کو علم ہوتا ہے جیسے زید، لائبنز، فارابی۔ لائبنز نفس عقلی کے وجود پر کوئی دلیل نہیں لے آتا، بلکہ شعور کی ناقابلِ انکار شہادت کی بنا پر اس کو مان لیتا ہے۔ وہ میری ذات کے علاوہ دوسرے نفوس انسانی کے وجود کو بھی تسلیم کر لیتا ہے۔ دوسرے تمام محدود موناوات سے عقلی موناوات کا مابہ الامتیاز ان کے شعور کی صفائی اور وضاحت ہے۔ صرف نفوس عقلیہ ہی علاوہ ادراک و

---

[۱] دیکھو کالکنس کی محولہ بالا کتاب صفحہ ۸۷، جہاں سے مندرجہ بالا بیان ماخوذ ہے۔ ان مشکلات کی مفصل توجیہ اسی کتاب میں آگے چل کر ملے گی (صفحہ ۹۷)۔

حافظہ کے عقل کے ملکہ سے متصف ہوتے ہیں؛ اور صرف نفوسِ عقلیہ ہی اخلاقی آزادی اور ذمہ داری کے حامل ہیں۔ ارادے کی آزادی اور ذمہ داری کا تسلیم کرنا نفوسِ عقلیہ کی اخلاقی زندگی کے لیے ضروری ہے۔

مونادات کی دوسری قسم حساس مونادات یا غیر عقلی ارواح ہیں۔ لائبنز حیوانات کی غیر عقلی حساس ارواح کو افرادِ انسانی کی ذی عقل شاعر بالذات ارواح سے صاف طور پر ممیز کرتا ہے۔ اس کی تعلیم کی رُو سے حیوانات کی ارواح ادراک اور حافظہ سے تو متصف ہیں لیکن نہ واضح طور پر شاعر بالذات ہیں اور نہ عقل اور اخلاقی آزادی رکھتے ہیں۔ ان میں اور انسان میں ادراک و شعور کی وضاحت و صفائی کا فرق ہے۔ انسانی اور حیوانی ارواح دونوں ساری کائنات کا ادراک کرتی ہیں اور اس طرح اس کی آئینہ دار ہیں لیکن حیوانی ارواح کا ادراک غیر صاف اور مختل و مبہم ہوتا ہے۔

مونادات کی تیسری قسم سادہ یا بسیط مونادات کی ہے جس میں عضوی و غیر عضوی اجسام داخل ہیں۔ عضوی اور غیر عضوی اجسام کا فرق اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔ یہ دونوں کئی مونادات یا مراکزِ قوت سے مرکب ہوتے ہیں؛ ان میں سے کوئی بھی صرف ایک موناد پر مشتمل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ہر مادی جسم قابلِ تقسیم ہوتا ہے اور تمام حیوانی اجسام مقطوع الاعضا ہو سکتے ہیں؛ اگر جسم روح ہو تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں روح بھی قابلِ تقسیم و فنا قرار پائے گی جو محال ہے۔ اسی لیے اجسام کئی سادہ مونادات کے مجموعہ قرار دیے گئے ہیں اور یہ سادہ مونادات ہمیشہ ایک مسلسل تغیر کی سی حالت میں ہوتے ہیں؛ کبھی ایک جسم کا حصہ بنتے ہیں، کبھی دوسرے کا، اور اپنا مقام بدلتے رہتے ہیں، کبھی تو آہستہ آہستہ اور مسلسل، جیسے تغذیہ کی حالت میں، اور کبھی یک دم، جیسے پیدائش اور موت کے وقت۔

عضوی اجسام (برخلاف غیر عضوی اجسام کے) ایک مرکزی موناد پر مشتمل ہوتے ہیں، ایک ایسے موناد پر جس کو ملکہ کہنا چاہیئے، یا روح، جس کے آگے تمام جسم کی ایک تصویر ہوتی ہے اور جو جسم کے دوسرے تمام مونادات کی ہدایت و رہبری کرتی ہے۔ یہ مرکزی موناد گویا حکمراں ہے اور دوسرے مونادات حکم بردار۔ غیر عضوی اجسام میں اس قسم کا کوئی مرکز نہیں ہوتا بلکہ وہ مونادات کے محض ایک مجموعے پر مشتمل ہوتے ہیں۔ وہ بہ قول لائبنز کے "جواہر کا ایک مجموعہ ہوتے ہیں اور صحیح معنے میں ایک جوہر نہیں ہوتے۔"

ہم نے اوپر دیکھا ہے کہ لائبنز کے نزدیک سادہ اور حساس موناد یعنے مادی شئے، اور نفس یا ذات (حیوانی ہو یا انسانی) میں فرق صرف شعور کے درجوں کا ہے۔ لائبنز ہمیشہ اس امر پر زور دیتا ہے کہ

سادہ موناد حساس موناد کی طرح مُدرِک ہوتا ہے، ورنہ اس کی ماہیت روح جیسی نہ ہوگی، لیکن اس کا ادراک اس قدر غیر واضح، خفیف اور مبہم ہوتا ہے کہ سادہ موناد کو ہم اچھی طرح غیر حساس یا خفتہ موناد کہہ سکتے ہیں۔

جس دُنیا کو ہم بے جان دُنیا کہتے ہیں لائبنز کے نزدیک وہ مدہم شعور رکھنے والی ارواح سے مملو ہے:۔

"دُنیا ایک بے جان مشین نہیں جیسا کہ ڈیکارٹ اور ہابس نے خیال کیا تھا۔ اس میں کی ہر چیز گویا قوت ہے، روح ہے، زندگی ہے، فکر و خواہش ہے، ہمیں جو چیز نظر آ رہی ہے وہ مشین ہے، لیکن ہم ہستی کے صرف خارجی پہلو کو دیکھ رہے ہیں۔ ہستی وہ شئے ہے جو خود دیکھتی ہے" (مُدرِک ہے) (بوترو)

اس بعید از فہم نظریہ کو قابلِ فہم بنانے کے لیے لائبنز بار بار اس فرق کی طرف ہماری توجہ کو مبذول کرتا ہے جو متوجہ و غیر متوجہ شعور میں پایا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"ہزارہا علائم و اشارات ہیں اس نتیجے کی طرف رہبری کرتے ہیں کہ ہم میں ہر لحظہ لامتناہی ادراکات وقوع پذیر ہو رہے ہیں لیکن نہ ہمیں ان کا ادراک ہوتا ہے اور نہ ہم ان پر غور کرتے ہیں، یعنے ہماری روح میں ایسے تغیرات جاری ہیں جن کا ہم کو ادراک (یا شعوری علم) نہیں ہوتا، اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ارتسامات یا تو نہایت خفیف ہیں یا بے شمار ہیں یا بالکل متحد ہیں اس لیے ان میں کوئی چیز تمیز پیدا نہیں کرتی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی بنا پر ہمیں عادت پن چکی یا آبشار کی حرکت کا خیال کرنے سے باز رکھتی ہے جب ہم کو کچھ عرصہ اس کے قریب رہتے ہوئے گزر چکا ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ حرکت کا ہمارے اعضائے حواس پر اثر نہیں ہوتا، اور اس کے بالمقابل روح میں ایک تغیر پیدا نہیں ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ یہ ارتسامات اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ ہماری توجہ اور ہمارے حافظہ کو اپنی طرف جذب کریں"۔[1]

---

[1] دیکھو لائبنز کی کتاب (New Essays) دیباچہ۔

ان مثالوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے شعور کا خوابیدہ غیر متوجہ پہلو بھی ہوتا ہے۔ شعور ہمیشہ واضح و اُجاگر نہیں ہوتا، خفتہ و خوابیدہ حالت میں بھی ہوتا ہے۔ سادہ مونادات کا شعور اسی خوابیدہ حالت کا سا ہوتا ہے۔ استدلال سے لائبنز یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ علاوہ حیوانانی و انسانی ارواح کے دوسری ارواح بھی پائی جاتی ہیں۔ کائنات ساری ارواح سے مملو ہے! ان ارواح کے شعور کے لحاظ سے مختلف درجے ہیں۔ جن اشیاء کو ہم مادّی سمجھتے ہیں وہ خفتہ شعور رکھنے والی ارواح ہیں؛ حیوانات کی ارواح شعور و حافظہ رکھتی ہیں، انسانی ارواح شعور ذات اور عقل سے متصف ہیں۔

انسان میں سادہ مونادات بہ منزلہ جسم ہیں اور اعلیٰ تر موناد اس کی روح یا نفس ہے۔ جسم اور روح کے درمیان کیا تعلق ہے؟ اپنی کتاب "نظام جدید" میں لائبنز اعتراف کرتا ہے کہ روح اور جسم کی وحدت ہی کے سوال پر غور کرتے ہوئے وہ جواہر (مونادات) کے اشتراک باہمی والے عام مسئلے تک جا پہنچا۔

روح اور جسم کے باہمی ربط کو ایک تمثیل کے ذریعے لائبنز یوں ظاہر کرتا ہے:۔

"ایسی دو گھڑیوں کا تصور کرو جو ٹھیک ایک ہی وقت بتلاتی ہیں۔ یہ تین طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں میں باہمی اثر و تاثر ہوگا؛ دوسرا یہ کہ ہم ان کو ایک ہوشیار صنّاع کے ہاتھ میں دے دیں جو انھیں ہر لحظہ ایک ساتھ چلائے؛ تیسرا یہ کہ ان دونوں گھڑیوں کو ایسی حکمت و صحت کے ساتھ بنایا جائے کہ آئندہ یہ ٹھیک ایک سا وقت بتلاتے رہیں۔ باہمی اثر و تاثر نظریہ روز مرّہ کا فلسفہ[1] ہے؛ لیکن چونکہ ہم ایسے مادّی ذرّات کا تصور نہیں کر سکتے جو ایک جوہر سے نکل کر دوسرے میں نفوذ کر سکیں، لہٰذا یہ تصور قابل تردید ہے۔ خالق کی مسلسل معاونت کا نظریہ نظامِ علل اتفاقیہ[2] والا نظریہ ہے؛

---

[1] ۔ یہ ڈیکارٹ کا تعامل یا (Interactionism) والا نظریہ ہے جس کی رُو سے ذہن جسم پر عمل کرتا ہے اور جسم ذہن پر، چونکہ خود ڈیکارٹ کے نزدیک جسم اور روح بالکل مختلف الماہیت ہیں لہٰذا یہ تعامل ناقابل فہم ہے۔

[2] ۔ یہ گیولنکس اور مالبرانش کا نظریہ ہے جن کے نزدیک خدا نے روح اور جسم دونوں کو پیدا کیا ہے اور ہر موقع پر

> لیکن میری رائے میں یہ خدا کو ایک فطری اور معمولی معاملے میں گھسیٹ لانا ہے جہاں عقل کی رُو سے اس کو تو اسی حد تک اشتراکِ عمل کرنا چاہیئے جس حد تک کہ وہ دوسرے تمام فطری مظاہر میں کرتا ہے۔ لہٰذا اب میرا نظریہ یہی باقی رہ جاتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ روزِ ازل ہی سے خدا نے ان دونوں جوہروں (روح وجسم) کو کچھ ایسی فطرت و نوعیت کا بنایا ہے کہ اپنے ہی قوانین کی پابندی کرنے کے باوجود، جو ہر ایک کی فطرت ہی میں ودیعت ہیں، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ توافق رکھتا ہے گویا کہ وہ ایک دوسرے پر عمل کر رہے ہیں۔"[1]

یہ ہے لائبنز کا نظریہ جس کو وہ "نظریہ توافق مقدر" (Pre-established harmony) کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ "ارواح کا عمل علل غائیہ سے متعلق ہوتا ہے" یعنے خواہشات، غایات ان کے اعمال کا تعین کرتے ہیں۔ "اجسام کا عمل علل فاعلی یا حرکات سے متعین ہوتا ہے" یہ دونوں اپنے اپنے قوانین کی پابندی کرتے ہیں، جو ان کی فطرت میں ودیعت ہیں، تاہم ان دونوں میں کامل توافق ہے اور یہ توافق روزِ ازل ہی سے مقدر کر دیا گیا ہے۔ اجسام عضویہ بہ قول لائبنز "خدائی مشین" ہیں

'توافق مقدر' کا نظریہ لائبنز کے نزدیک صرف روح وجسم کی وحدت ہی کی توجیہ نہیں کرتا بلکہ یہ ساری کائنات پر حاوی ہے۔ تمام موناداتِ اس طرح آپس میں مل کر عمل کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک ہی عضویت کے مختلف حصے ہیں جن میں سے ہر ایک کا اپنا علیحدہ وظیفہ ہے۔ لائبنز کہتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز ربط علیت سے مربوط ہے لیکن 'علیت' سے مراد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تمام حصص کے اعمال ایک توافق رکھتے ہیں، ان میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے جو خدا نے پہلے ہی سے مقرر کر دی ہے۔ بہ الفاظ دیگر خدا نے کائنات کو کچھ اس طرح سے ترتیب دی ہے کہ وہ بغیر اس کی کسی قسم کی مداخلت کے چل رہی ہے:

جب روح اور جسم کو ایک ساتھ عمل کرنا ضروری ہوتا ہے تو خدا مداخلت کرتا ہے اور ان دونوں میں ربط قایم کرتا ہے اس کو 'اقتضائیت' والا نظریہ کہتے ہیں (Occasionalism)

[1] فوشر کے اعتراضات کے جواب میں لائبنز نے گھڑیوں کی یہ تمثیل پیش کی اور اپنے نظریہ کو بہت واضح کیا۔

ہر موناد کی ہر کیفیت اس کی گذشتہ کیفیت کا نتیجہ ہوتی ہے اور دوسرے تمام مونادات کی کیفیتوں کے ساتھ مل کر عمل کرتی ہے۔ کائنات کا توافق اور اس کی ہم آہنگی کامل و مکمل ہے۔ فطرت کی ہر شئے میکانکی اور سائنٹفک طور پر سمجھائی جا سکتی ہے، یعنے عالم طبیعی میں قانون، یکسانیت، نظم و ترتیب پائے جاتے ہیں، لیکن ان کا مبدء خدا ہے۔ اسی لیے لائبنز اپنے نظام فلسفہ کا ماٹو یہ مقرر کرتا ہے: "میکانیت کا مبدء مابعد الطبیعیات ہے۔" اس طرح میکانیت اور غایتیت میں تطبیق پیدا کی جاتی ہے: فطرت کی توجیہ بغیر غایت و مقصد کے تصوّر کو داخل کرنے کے بھی کی جا سکتی ہے، لیکن میکانکی فلسفہ خدا کی طرف ہماری رہبری کرتا ہے اور اسی کے آستانے کی جانب لے جاتا ہے کیوں کہ طبیعیات اور میکانیات کے اصول و قوانین کلّی کی توجیہ بغیر خدائی غایت و مقصد کے ہو نہیں سکتی۔ اس طرح لائبنز مذہب و عقل میں تطبیق پیدا کرتا ہے۔[۱]

لائبنز نے کائنات کی جو تصویر پیش کی ہے اس کے جلی خد و خال ان الفاظ میں ملخصاً پیش کیے جا سکتے ہیں:۔

> "یہ فعّال قوتوں یا ارواح کی زندہ روحانی دُنیا ہے، جن میں سے ہر روح کامل ہے اور اپنی ہی فطری قوانین کے تحت اپنی غایت کا تحقق کر رہی ہے، ہر روح دوسری روح سے جدا و ممیّز ہے تاہم اپنے مقصد اور تمام کائنات کے اظہار کی قابلیت کے لحاظ سے دوسری تمام ارواح سے توافق اور ہم آہنگی رکھتی ہے ان تمام روحانی قوتوں کا خالق اور ان میں توافق پیدا کرنے والا موناد برتر خدا ہے جو لیکن ذی شعور اور قوت مطلق، حکمت مطلق و خیر مطلق رکھنے والی ہستی ہے۔ اور درجۂ کمال کے اعتبار سے اس کے قریب تر آزاد اور شاعر بالذات ارواح ہیں جن سے بہ قول لائبنز کے "ارواح کی ایک جمہوریت" تشکیل پاتی ہے، جس کا بادشاہ خدائے لایزال ہے۔"[۲]

میر ولی الدین

---

[۱] دیکھو تاریخ فلسفہ از تھلی ص ۲، ۳۷۳-۳۷۴۔ [۲] دیکھو کالکنس ص ۹۶۔

۵۰

خوابوں کی بستی

خوابوں کی بستی اس نامعلوم مدت سے بسی چلی آتی ہے جب سے ہماری یہ ظاہری دُنیا جیتی جاگتی آباد ہے اس میں صرف سوتے جاگنے کا فرق ہے ورنہ جو کچھ ہم جاگتے میں کرتے. دیکھتے سُنتے اور چلتے پھرتے ہیں اُسی طرح سوتے میں بلکہ اس سے کچھ بڑھ چڑھ کر دیکھتے اور کرتے ہیں گویا سونے کے بعد ایک عجیب عالم ہمارے سامنے آباد نظر آتا ہے اور ہر عمر کے بچے. جوان. بوڑھے. عورت اور مرد سب اس کی سیر کرتے اور اس نامعلوم آبادی سے تھوڑا بہت تعلق رکھتے ہیں مگر اس کے باوجود ہمیں بہت کم معلوم ہے کہ خوابوں کی اس دل فریب بستی کی اصلیت کیا ہے؟ یہ کیوں ہے اور کیسے ہے؟ زمانۂ جاہلیت سے آج کی مہذب جدید سائنس کی ترقی یافتہ دُنیا تک خواب اور اس کی تعبیر کا مسئلہ لاینحل معمہ سا بنا ہوا ہے اور باوجود مسلسل غور و فکر کے متفقہ طور پر اس کی تحقیق ابھی تک مکمل نہیں ہوسکی ہے، اس کا خاص سبب یہ بھی ہے کہ گو خواب کی اصلیت سے کسی زمانے میں کسی کو انکار نہیں ہوا لیکن عرصۂ دراز تک فلاسفۂ قدیم نے اس کی طرف توجہ نہ کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کم علم لوگوں نے خوابوں کی حقیقت اور تعبیروں کے لیے اپنی سمجھ اور علم کے موافق تاویلیں کرلیں اور وہ اپنی رائے سے انھیں کو ماننے لگے. مفکرین و علماء نے غور بھی کیا تو بہت بعد میں اور وہ بھی بہت کم.

جاہلیت کے زمانے میں خواب کی اہمیت بہت زیادہ تھی اور رمل. نجوم یا فال کی طرح خواب سے بھی ماضی اور مستقبل کے حالات کا اندازہ لگایا جاتا تھا! اس سے آگے بڑھ کر علمائے مذہب نے اس پر توجہ کی، اور قریب قریب ہر مذہب میں خواب کی حقیقت اور سچے خوابوں کی تعبیر کی اصلیت مانی جاتی رہی جس قدر تحقیق کی روشنی بڑھتی گئی وہمی خوابوں کی اہمیت کم ہوتی گئی اور خوابوں کے شاعرانہ تخیل اور اصلیت کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لیا گیا. علمائے اسلام کے نزدیک خواب کی جو حقیقت ہے دوسرے مذہبی علماء اور اکثر فلاسفۂ قدیم کا بھی اسی پر اتفاق ہے. البتہ جدید سائنس کے نقطۂ نظر سے کچھ اصطلاحی فرق

قدیمی خیالات میں ضرور ہے۔ یہاں خوابوں کی بستی کے تذکرے میں قدیم اور جدید فلسفہ دونوں کی بحث آئے گی اور ضمنی طور پر مذہبی نقطۂ نظر بھی واضح ہوتا جائے گا۔

یہ امر مسلّم ہے کہ انسان کے پانچ حواس ظاہری ہیں یعنے دیکھنا، سُننا، چکھنا، سونگھنا، اور چھُونا۔ اسی طرح پانچ طاقتیں دماغ میں اور پوشیدہ ہیں جنھیں حس مشترک۔ خیال۔ متصرفہ۔ واہمہ اور حافظہ کہتے ہیں' ان میں سے ہر ایک کا اپنا اپنا کام الگ الگ جاری رہتا ہے۔ ہم جو کچھ جاگتے میں دیکھتے ہیں یا سنتے ہیں اور چھوتے ہیں خیال اور حافظہ کی مدد سے ہمارے دماغ میں ان کی یادداشتیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جو باتیں جاگتے میں ہمارے وہم وگمان کو محسوس ہوتی ہیں ان کی یاد ہمارے دماغ کے پردے پر قایم ہو جاتی ہے مگر ہم جاگنے کی حالت میں چونکہ برابر دماغ کی ان طاقتوں سے کام لیتے رہتے ہیں اس لیے یکسوئی حاصل نہیں ہوتی متصرفہ کا کام یہ ہے کہ جو باتیں اور صورتیں ہماری یادداشت میں محفوظ ہیں ان میں تصرف کر کے آپس میں ملائے لیکن اس قوت کا یہ کام جاگنے کی حالت میں پوری شدّت سے اس لیے نہیں ہوتا کہ یکسوئی نہیں ہوتی جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ وہ وقت ہوتا ہے کہ ہمارے تمام ظاہری حواس بالکل غافل اور بے ہوش ہوتے ہیں۔ لیکن پوشیدہ طاقتیں پورے اثرات کے ساتھ جاگتی ہیں اور اپنا کام شروع کر دیتی ہیں' اب ظاہر ہے کہ قوت متصرفہ خیال۔ حافظہ اور وہم کی تمام یادداشتوں پر جب قابو پاتی ہے تو ان کو حرکت میں لاتی ہے اور اس حالت میں جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے ہم روک نہیں سکتے کیوں کہ ہمارے ظاہری حواس سو رہے ہوتے ہیں یہی سبب ہے کہ ہم خواب میں ایسی ایسی باتیں دیکھتے ہیں جو جاگتے میں ممکن نہیں ہوتیں۔ یہ اس طرح ہوتا ہے جیسے سینما کے پردے پر بہت چھوٹی تصویریں غیر معمولی بڑائی کے ساتھ عجیب وغریب حرکتیں کرتی دکھائی دیتی ہیں اسی طرح متصرفہ کی مشین ہماری یادداشتوں کی تصویروں کو گھٹا بڑھا کر خواب کے پردے پر لے آتی ہیں اور ہم چُپ چاپ دیکھے چلے جاتے ہیں، یعنے جو کچھ جاگتے میں دیکھنے۔ سُننے یا سوچنے سے ہمارے دماغ کی یادداشتوں میں محفوظ ہوتا ہے' وہی اکثر خواب میں کبھی بجنسہٖ اور کبھی گھٹتے بڑھنے کے بعد نظر آتا ہے۔

یہ ہے خواب کی حقیقت فلاسفۂ قدیم کی نظر میں جس میں علمائے اسلام کی رائے خصوصاً شامل ہے لیکن فرق یہ ہے کہ ایک گروہ کا بیان ہے کہ "تمام خواب گزری ہوئی باتیں اور پہلے زمانے کے خیالات میں جو سوتے میں نظر آتے ہیں"۔ اور دوسرے گروہ کا عقیدہ ہے کہ اس حقیقت کے علاوہ بعض خوابوں کے ذریعے غیب کی خبریں خدا کی طرف سے روحوں کو ملا کرتی ہیں اور یہ خواب صحیح یا رویائے صادقہ

کہلاتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ خواب صحیح کے منکر اس قسم کے خواب کے ثبوت مل جانے کے بعد اس کی اصلیت سے تو انکار نہیں کرتے مگر دبی زبان سے یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ جب تک روح کے مسئلے کا انکشاف پورے طور پر نہیں ہوا ہے اور عالم ارواح کی حقیقت کو نہیں سمجھا گیا ہے مادہ پرست سائنس اس قسم کے خواب کی اہمیت کو نہیں مان سکتا۔

گذشتہ خیالات و حالات کے خواب کی مثالیں تو شب و روز ہمارے سامنے ہی آتی رہی ہیں لیکن مذہب و سائنس سے قطع نظر کر کے خواب صحیح کی مثالوں کے تجربے بھی ہم میں سے اکثر اصحاب کو ذاتی طور پر ہوتے رہتے ہیں اور اس قسم کے واقعات بھی کثرت سے شہادت دیتے ہیں، چنانچہ:۔

"حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب سب سے پہلے اس کے شاہد ہیں
جن کا ذکر متعدد آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں تو
اس کی پوری تفصیل ہے لیکن توریت میں اس طرح لکھا گیا ہے کہ
(حضرت) یوسفؑ نے لڑکپن کے زمانے میں ایک خواب دیکھا اور
اپنے بھائیوں سے بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میرا پولا اٹھا اور
سیدھا کھڑا ہو گیا، تمہارے پولے جو ادھر ادھر کھڑے تھے وہ
میرے پولے کے آگے جھک گئے اور اس کا سجدہ کیا۔"

اس پر ان کے بھائیوں نے کہا کہ کیا تو ہمارا حاکم بنے گا اور ہم تجھے سجدہ کریں گے۔

اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے پھر خواب میں دیکھا کہ سورج۔ چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کو جب ان کے باپ حضرت یعقوبؑ نے سنا تو فرمایا کہ کیا تیری ماں، باپ (میں) اور سب بھائی تجھ کو سجدہ کریں گے! اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت یعقوبؑ نے اس خواب صحیح کی تعبیر یہ کی کہ وہ بادشاہ ہوں گے اور ان کو سورج۔ چاند یعنے ان کے ماں، باپ اور گیارہ ستارے، سب بھائی سجدہ کریں گے۔ اس پر ان کے بھائی ان سے جلنے لگے یہاں تک کہ ان کے جانی دشمن ہو گئے، لیکن باوجود بھائیوں کی قاتل دشمنی کے ان کا بال بیکا نہ ہو سکا اور گو وہ بھائیوں کی دشمنی سے کنویں میں گرے۔ غلام بنے۔ مصر میں قید ہوئے، لیکن ایک دن ان کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی، وہ واقعی شاہ مصر بنے اور ان کے ماں، باپ۔ بھائیوں نے سجدہ کیا۔ حالانکہ خواب دیکھتے وقت ان کے گمان میں بھی یہ واقعات نہ تھے جو

انھیں نظر آئے یہ روحانی پیغام نہ تھا تو کیا تھا۔ اب ہم خوابوں کی تقسیم سے پہلے جدید سائنس کا نظریۂ خواب بھی یہاں واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ دونوں کی روشنی میں خوابوں کی بسنی کی سیر سے دلچسپی حاصل ہو سکے۔

مذہبی حیثیت سے جو خواب نامے یا تعبیر نامے یورپ میں مرتب ہوئے ان کو چھوڑ کر یورپ کے فلاسفر خواب کے مسئلے کو ۱۹۰۰ء تک وہم وخیال سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔

وائنا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر سگمنڈ فرائڈ نے ۱۹۰۰ء میں خواب کی حقیقت اور ماہیت پر غور کیا۔ اس فاضل پروفیسر کی تحقیقات خواب سے پہلے نفسیات خواب پر کوئی تصنیف موجود نہ تھی اور نہ سائنٹفک طریقے سے اس مسئلے پر غور ہوا۔ فرائڈ کی نفسیات خواب کی تحلیل کا خلاصہ یہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نیند اس حالت کا نام ہے جب ہمارے ظاہری حواس سو جاتے ہیں۔ جو اس کی دو طاقتیں ہیں، ایک شعور اور دوسرے غیر شعور۔

"شعور کا کام ہمارے حواسِ خمسہ کو کام میں لانا یعنے دیکھنا، سننا، چکھنا، سونگھنا، اور چھونا ہے اور غیر شعور، شعور کے ماتحت فکر و غور کا کام کرتی ہے۔ جاگتے میں ہمارے شعوری حواس کام کرتے ہوتے ہیں اس لیے غیر شعوری طاقت یک سوئی کے ساتھ اس وقت اپنا کام نہیں کر سکتی۔ یوں سمجھنا چاہیئے کہ جب ہم ایک تحریر پڑھتے ہوتے ہیں اس وقت کوئی مضمون دماغ سے سوچ کر لکھ نہیں سکتے۔ لیکن سو جانے کے بعد "شعور" کا کام بند ہوتا ہے، اس لیے غیر شعوری مدد کے تیار کیے ہوئے خاکے ابھرتے ہیں اور خواب کے پردے پر ان کی حرکتیں شروع ہو جاتی ہیں اور وہ تمام خیالات وحالات جو جاگتے وقت ہمارے شعور کے سامنے آتے ہیں انھیں ہم سونے کے وقت شعور کے غافل ہوتے ہی تیزی سے حرکت کرتے دیکھتے ہیں۔"

اسی نظریہ کو زمانۂ حاضرہ کا دوسرا فلاسفر پروفیسر برگسان تصدیق کے ساتھ اس طرح بیان کرتا ہے کہ:-

"بے شمار خواہشیں، خیالات اور صورتیں ہمارے دل اور دماغ۔
ذہن وحافظہ میں بند ہوتی رہتی ہیں اور جاگنے کی حالت میں
ان سب پر شعور کی روشنی پڑتی رہتی ہے اسی طرح غیر شعور کی
مدد سے جو کچھ سوچتے سمجھتے ہیں وہ بھی یادداشت میں ہیں، لیکن

ان کی مثال ایک اندھے کنویں کی سی ہے۔ ہماری یہ یادداشتیں
ذہن کے اندھے کنویں میں بند ہیں اور ان پر شعور کی روشنی پھیلی
ہوتی ہے، غیر شعور کی طاقت اس کے نیچے دبی رہتی ہے اس لیے
جاگتے میں ان باتوں کی طرف توجہ نہیں ہو سکتی جو ذہن میں گزشتہ
شعور نے بند کی ہیں سونے کے بعد اس اندھے کنویں کا دروازہ
کھل جاتا ہے، یعنے شعور کے سوجانے سے سب رکاوٹیں اٹھ جاتی ہیں
اس لیے یہ یادداشتیں اس اندھے کنویں میں سے نکلنا شروع
ہوتی ہیں اور غیر شعور کی تاریکی میں حرکت کرتی رہتی ہیں اس حالت کو
خواب دیکھنا کہتے ہیں۔ اب جو باتیں سونے سے پہلے ہمارے ذہن
اور دماغ سے زیادہ قریب ہوتی ہیں، جو آوازیں ہمارے کانوں پر
اپنا اثر زیادہ مس کرتی رہی ہیں وہی پہلے اور زیادہ واضح و نمایاں
ہو کر ہمارے سامنے سب سے پہلے خواب میں آتی ہیں اور
"خوابوں کی بستی" کو معمور کرتی ہیں۔"

یہ ہے جدید سائنس کی روشنی میں خواب کی حقیقت۔

اب خوابوں کی تعبیر اور اُن کے اثرات پر قدیم اور جدید فلسفے کی رُو سے نظر ڈالیں تو اب سے پہلے ہمارے سامنے وہ تقسیم آتی ہے جو فلاسفہ نے خوابوں کی بستی کے لیے کی ہے، یعنے اول خواب پریشاں دوسرے خواب مرض تیسرے خواب صحیح یا رویائے صادقہ۔ سب خواب سچے اور یقین کے قابل نہیں۔ ان میں سے پہلے دو کے متعلق قدیم اور جدید فلاسفہ کا اتفاق ہے، مگر خواب صحیح پر جدید سائنس یقین نہیں کرتا خواب صحیح کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ خواب پریشاں وہ خواب ہیں جو ہاضمہ کی خرابی یا دماغ کی پریشانی کی حالت میں سوجانے سے دکھائی دیتے ہیں جیسے سردی کے موسم میں سوتے وقت کمبل یا لحاف ہمارے اوپر سے دور ہو جائے تو ہم خواب دیکھتے ہیں کہ بالکل ننگے پھر رہے ہیں اسی طرح بھوک پیاس اور اس طرح کی تمام خواہشوں اور ضرورتوں میں سونے والے اس خواہش کو پورا ہوتے دیکھتے ہیں اور جاگنے کے بعد ان کا نہ کوئی اثر ہوتا ہے نہ وہ آیندہ زندگی سے کوئی تعلق رکھنے والی ہیں، مگر بعض اوقات اس قسم کے

خواب بھی سچے ہو جاتے ہیں چنانچہ یورپ کے شہرۂ آفاق شاعر کولرج کی مشہور نظم "کبلا خان" کے دو سوسے تین سو مصرعے خواب میں اس نے کہے۔ جاگنے کے بعد وہ سب شعر اس کو یاد تھے جو اس نے لکھ لیے۔

خوابِ مرض میں وہ خواب شامل ہیں جو کسی بیماری کی حالت میں سوتے وقت نظر آتے ہیں۔

مثلاً ہماری روح اور دماغ پر بخار کے سبب گرمی کا اثر غالب ہوتا ہے۔ اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ آگ میں جل رہے ہیں یا آگ کے شعلے ہمیں جلائے دیتے ہیں اس قسم کے خوابوں کی تعبیریں بہت آسان ہیں جن کو اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ اگر بیماری کے زمانے میں زرد رنگ کی مختلف شکلیں لڑتی جھگڑتی یا مار پیٹ کرتی دکھائی دیں تو یہ صفرے کی زیادتی کے سبب سے ہیں۔ سُرخ یا کسی رنگ کی خوشنما حسین صورتیں نظر آئیں تو یہ خون کی کثرت کے سبب سے ہیں۔ دریا میں تیرنا۔ مینہ یا پانی کے طوفان دیکھنا بلغم کی زیادتی کی علامت ہے۔ سیاہ رنگ کی صورتیں۔ قبرستان۔ مُردے۔ سیاہ رنگ کے کُتے۔ دیو اور آندھی وغیرہ سوداویت کی علامت ہیں اور ان سب واقعات میں خوابِ پریشاں کی طرح بے ترتیبی، بے تکا پن ہوتا ہے لیکن خواب دیکھنے والے کی روز مرّہ کی زندگی کے واقعات سے دُور نہیں ہوتے بلکہ عام دیکھی اور گزری ہوئی باتیں بڑھنے گھٹنے کے بعد نظر آتی ہیں جدید تحقیقات کے بعد بعض ڈاکٹر نفسیاتی نقطۂ نظر سے امراض کا علاج کرتے وقت اس قسم کے خوابوں سے مرض کی تشخیص میں مدد لیتے ہیں۔

اب صحیح خوابوں کی باری آتی ہے اس قسم کے خواب کی نسبت افلاطون کی تحقیق بہت کچھ سچ ثابت ہوتی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ خواب میں ہم عموماً وہی چیزیں دیکھتے ہیں جنھیں جاگتے وقت دیکھا یا سُنا ہے لیکن ایسے خواب کھانا کھانے کے بعد سوتے وقت دیکھے جاسکتے ہیں! اس کے علاوہ جب معدہ اور دماغ کے خالی اور لطیف ہونے کے وقت جو کچھ ہم خواب میں دیکھتے ہیں ان کا تعلق کسی اور دُنیا سے ہے۔ چنانچہ اس خیال کی تصدیق علمائے اسلام خصوصاً اور دوسرے مذہب کے بزرگوں نے ثبوت کے ساتھ کی ہے اور اکثر واقعات اور تجربات بھی موجود ہیں۔ دو فلاسفرز کا متفقہ بیان ہے کہ خواب جو ہم دیکھتے ہیں اُن میں سے بعض یقیناً خدا کی طرف سے ہیں۔

مذہبی روایات اور بیانات کو چھوڑ کر جدید ماہرین نفسیات کے بیانات بھی بڑی حد تک صحیح خوابوں کی حقیقت کو مانتے ہیں مگر کھُلم کھُلا نہیں بلکہ دبی زبان سے چنانچہ ایک ماہر نفسیات کہتا ہے کہ:۔

"ہم خواب میں جو حالت دیکھتے ہیں اگر وہ کیفیت خواب ہی میں ختم

ہو جائے تو اس کی تعبیر کرنی چاہیئے کہ نتیجہ آیندہ کچھ نہ ہوگا۔ وہیں تمام ہوگیا، اور اگر وہ حالات خواب میں نا تمام رہے یا کش مکش کو جاری دیکھ کر آنکھ کھل جائے تو نتیجہ ضرور نکلے گا اور ناخوشگوار ہوگا۔"

ڈاکٹر یونگ جو پروفیسر فرائڈ کا سب سے بڑا نایب ہے کہتا ہے کہ :۔

"خواب سب کے لیے اہم اور مفید ہوتے ہیں بہ شرطیکہ اُن کا استعمال کرنا ہم سیکھ چکے ہوں۔"

اس کے مختلف نظریوں کا لب لباب یہ ہے کہ خواب کی صحیح تعبیر اس وقت کی جا سکتی ہے کہ خواب دیکھنے کے بعد واقعات یاد رہیں اور یہ اچھی طرح دیکھ اور سمجھ لیا جائے کہ خواب میں دیکھی ہوئی باتیں ہم نے اس سے پہلے نہ کبھی سنیں نہ ان حالات کو دیکھا، اور نہ ان کا ہماری روزمرہ کی زندگی میں کبھی کوئی ذکر آیا خیال آیا ہمارا ذہن جاگتے وقت ان حالات سے بالکل خالی تھا۔ اس وقت یہ سمجھنا چاہیئے کہ خواب سچا ہے اور اس کی تعبیر دریافت کرنے کی کوشش کی جائے۔

علمائے اسلام کا عقیدہ ہے کہ :۔

"جو خواب دماغ کی درستی، جسم کی پاکیزگی اور خیالات کی صفائی کی حالت میں سوتے ہوئے دکھائی دیں وہ خواب صحیح ہیں اور اُن کو خدا کی طرف سے روح کو ملے ہوئے پیغام سمجھنا چاہیئے چنانچہ کہا گیا ہے کہ شاعر، شریر، مست، مریض اور غمگین آدمیوں کے خواب اکثر سچے نہیں ہوتے۔ خواب میں ہم بعض اوقات ماضی کے علاوہ حال کی باتیں اور مستقبل کے واقعات قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کے حالات بھی معلوم کر لیتے ہیں، یہ سب خواب روحانی کہے جاتے ہیں۔"

شنکر موہن لعل ماتھر

انڈیا آفس کے چند تاریخی دستاویزات

انڈیا آفس (لندن) کے کتب خانے میں قلمی اور مطبوعہ کتابوں، مرقعوں وغیرہ کے ساتھ قدیم اسنادی کاغذات بھی محفوظ ہیں۔ میں نے اپنے قیام یورپ کے زمانے میں بہ لحاظ دلچسپی ان کا بھی معاینہ کیا تھا۔ ان کی مختصر کیفیت یہاں درج کی جاتی ہے۔

اس قسم کے فارسی کاغذات ایک "چکٹ بک" میں چسپاں ہیں، اور ان پر ایک ایک انگریزی نوٹ بھی لگا ہوا ہے۔ اس چکٹ بک میں جو کاغذات ہیں وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) کاغذات فتح علی شاہ قاچار (۲) خطوط والاجاہ رئیس ارکاٹ

(۳) فرمان شہنشاہ بابر (۴) اسنادات عالمگیر

(۵) پاس پورٹ سلطنت ترکی (۶) سند سلطنت آصفیہ

فتح علی شاہ قاچار کے کاغذات وہ فرامین ہیں جو کمپنی انگریز اور ان کے سفیر مقیم ہندوستان کو تجارت وغیرہ کے متعلق دیے گئے ہیں۔ ان فرامین کی طرز بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ سلطنتِ مغلیہ اور سلطنتِ آصفیہ کے قدیم اسنادات وغیرہ ہوتے ہیں۔ ناصیہ پر مہر، خاتمے پر دستخط اور پشت پر تاریخ وغیرہ۔ یہ مراسلت شاہ انگلستان کے نام نہیں ہوئی ہے، بلکہ کمپنی کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ کاغذات ۱۲۲۵ھ اور اس کے مابعد کے ہیں۔

والاجاہ کے خطوط شاہ انگلستان جارج سوم اور سرکار کمپنی دونوں کے موسومہ ہیں۔ یہ مراسلت نہایت عمدہ زر افشانی سنہرے حاشیے کے کاغذ پہ ہوئی ہے۔ ایک خط میں والاجاہ نے اپنے خاندانی جھگڑوں کے متعلق بھی خاص اپنے قلم سے صراحت کی ہے۔ یہ مراسلت ہم رتبہ بادشاہوں کی مراسلت کا انداز رکھتی ہے، برتری اور بزرگی کا پتا نہیں چلتا۔

بابر کا ایک فرمان ہے جو قاضی جلال کی معاش کے متعلق ہے۔ عالمگیری کاغذات میں مختلف فرمان اور اسناد وغیرہ شامل ہیں، جو صوبہ جات الہ آباد۔ پنجاب وغیرہ کے معاشوں کے متعلق ہیں اور بعض کاغذات اسد خاں محمد اسلم۔ قاضی شریعت خاں وغیرہ کے مہری بھی ہیں۔ ان کے تفصیلی معائنے کے لیے بڑے وقت کی ضرورت تھی۔

سلطنتِ ترکی کا صرف ایک پاس پورٹ اس میں شامل تھا سلطنتِ آصفیہ کی ایک سند موجود تھی، یہ سند قطب الدولہ کی موسومہ ہے اس کے ساتھ ان کا ایک وصیت نامہ بھی ہے۔

قطب الدولہ آصف جاہ ثانی کے ابتدائی عہد میں راج بندری۔ ویلور وغیرہ کے جاگیردار تھے، ان کا وصیت نامہ حسب ذیل ہے:۔

وصیت نامہ قطب الدولہ تحریر غرہ ذیقعدہ سنہ ۱۲۱۳ھ

"وصیت نامہ چوں ایں جانب را بیماری دراز شدید لاحق شدہ اگرچہ بعونہ تعالیٰ صحت یافتم اما زندگی را چہ اعتبار است، لہٰذا برخوردار مرزا زین العابدین عرف سبحان بخش را کہ اکبر اولاد است ولیعہد وقایم مقام خود کردم۔ بعد از من خانہ واثاثہ سرانجام ہمہ املاک وجاگیرات ودیہات وغیرہ ہر رطب ویابس کہ در ملکیت دارم ہمہ از برخوردار مذکور است، بجان ودل بخشیدم دیگرے را دراں دخل واختیار نیست، باید کہ برادران کہ از و کوچکتر اند ہمیشہ در اطاعت و اختیار او بودہ دعویٰ وطلب چیزے نداشتہ باشند۔

برخوردار پرورش اینہا وہمشیرہا وجملہ قبائل ووابستگان خواہد کرد اگر از اولاد من کسی بدستور عوام از مرزا زین العابدین درخواست ترکہ وحصہ بکند مناسب نیست چرا کہ نام وآبروکہ پیدا کردہ ام نخواہد ماند۔

ایں جانب از رفاقت بندگان عالی برآمد رفیق کمپنی انگریز

شدہ ام وازدوستی وخیرخواہی جائے پرورش ودرکمپنی پیدا کردہ ام
ازینجا بجائے دیگر نباید رفت۔

حرف نمکحرامی حضور کہ ازسبب رفاقت کمپنی برایں جانب
آمدہ است اگر خدا توفیق بدہد بوساطت نواب رکن الدولہ یا
ظفر الدولہ مراسلات از حضور کردہ ایں حرف را ازمن باید برآورد۔

برائے حج وزیارت از طرف من کدام شخص صالح را مقرر کردہ
باید فرستاد وقرضداری مرحوم کہ بطرف منست از آمدنی جاگیرات وغیرہ
ادا باید کرد چوں برخوردار مرزا زین العابدین خورد سال است
تاحین رشد بحد بلوغیت، نواب صاحب مشفق مہربان نواب
جرأت جنگ بہادر راہی وامین واتالیق مقرر کردم۔ احتیاط و
خبرداری درہمہ امورات خانگی وجاگیرات وغیرہ کردہ بعونہ تعالیٰ
بعد رسیدن بحد بلوغ جملہ املاک وسامان وسرانجام مرزا زین العابدین
بسپارند۔ تحریر فی تاریخ صدر۔"

اس وصیت نامے کے ساتھ انھوں نے اپنے جاگیرات کی سند کی نقل بھی شامل کی ہے، یہ سند حضرت آصفجاہ ثانی کی
معطیہ ہے، نقل سند کو قاضی سید علی امجد کی مہر موثق کرتی ہے۔

اس سند کی رُو سے پرگنہ۔ ایٹ کوٹہ وغیرہ سرکار راج بندری صوبہ حیدرآباد مجمع کامل (لہ سالہم)
(تعلقہ) (ضلع)
ہن قطب الدولہ حسن علی خاں انتظام جنگ کی جاگیر میں عطا ہوئے ہیں۔

یہ سند ان کے وصیت نامے کے پہلے عطا ہوئی ہے۔ سند کے ساتھ دفتری کیفیت کی نقل بھی موجود ہے
(جیسا کہ اس زمانے میں قاعدہ تھا) اس کیفیت پر حضرت آصف جاہ ثانی کی شرح تجویز کی نقل کی گئی ہے
جو حسب ذیل ہے:۔

"خاطر جمعدارند انشاء اللہ تعالیٰ ایں چار تعلقہ برشما تا اولاد احفاد
برقرار خواہد بود۔"

اس سند سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث معاش قطب الدولہ کی صرف وہ معاش تھی جوان کے حسب خواہش

ان کی اولاد و احفاد کے نام عطا ہوئی تھی۔ اس جاگیر کے علاوہ شمالی سرکار کے کئی تعلقے مثلاً مصطفےٰ نگر، ایلورہ راج بندری وغیرہ بھی قطب الدولہ کی جاگیر میں تھے۔

اب مورخ دکن کے لیے یہ سوال دلچسپ اور تحقیق طلب ہوگا کہ سرکار کمپنی کی رفاقت نے اپنی رفاقت کا کیا صلہ دیا، اور قطب الدولہ کے بعد ان کی جاگیرات جو لاکھوں کی تھی کیا حشر ہوا؟

نصیر الدین ہاشمی

واردات

یاد میں ان کی جیئے جاتا ہوں
دہر میں نام کیئے جاتا ہوں

اور کیا دہر سے ملتا مجھ کو
غم کے کچھ داغ لیے جاتا ہوں

اس قدر ہے تری رحمت کا یقیں
جُرم پر جُرم کیئے جاتا ہوں

جیسے آئیگی نہ اب فصلِ بہار
یوں گریباں کو سیئے جاتا ہوں

زندگی موت سے بدلی کاوش
میں بہر حال جیئے جاتا ہوں

کاوش

مبداء حیات

"جو طیلسانئین عثمانیہ کی چھٹی سالانہ کانفرنس میں پڑھا گیا"

ہماری زندگی کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عقلی جستجو سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم قدیم زمانے سے زندگی کے تمام مسایل پر خواہ وہ عقلی ہوں یا نقلی، روایتی انداز میں غور کر کے مذہب کی طرح ایقان کا ایک جزو بنانے کے عادی ہو گئے ہیں۔ انھیں میں ایک حیات اور اس کے مبداء کا مسئلہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قدیم خیالات کے حامی اس پر ناک بھوں چڑھائیں گے کہ مبداء حیات کا سوال ہی کیوں اُٹھایا گیا! وہ تو صرف اتنا جاننا کافی سمجھتے ہیں کہ خدا نے انسان اور دوسری جان دار مخلوق کو اپنی قوت "کُن فیکون" سے پیدا کر دیا۔ ایک سائنس داں کو پورا یقین ہے کہ کائنات کی تخلیق میں پہلے بر قیے ارتقائی منزلوں کو طے کر کے جوہر بنے اور اس کے بعد ان جوہروں نے مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔ سادہ جوہروں سے مرکب سالمات پیدا ہوئے، اور بالآخر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص طریقے سے جس کو "پُر اسرار" کہنا چاہیئے "زندہ مادّے کا ظہور ہو گیا اس لیے مبداء حیات کا سوال یہاں خود بہ خود پیدا ہو جاتا ہے۔ چارلس گبسن کے الفاظ میں:۔

> "ایک عالم حکمیات، خالق کو اس کی کائنات سے جُدا کرنا نہیں چاہتا،
> بلکہ وہ صرف ان طریقوں کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے جن سے خالق کائنات نے
> فطرت میں گُل کاریاں کی ہیں۔"

یہ سچ ہے کہ ابتدائے حیات کے مسئلے پر انسان عرصے سے غور کرتا رہا ہے۔ قدیم مصری آفتاب کو مبدء حیات سمجھتے تھے۔ ہندی آریاؤں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آفتاب سرچشمۂ حیات ہے چنانچہ اسی لیے وہ سورج کی پرستش کرتے تھے۔ سب سے پہلے ایک یونانی حکیم تھالیس نے ۶۴۰ سنہ ق م میں اس مسئلے کو چھیڑا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ کائنات کی تمام اشیاء کا اصل مبداء صرف پانی ہی ہو سکتا ہے لیکن اس طریقۂ استدلال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو پانی کی ترکیب معلوم نہ تھی۔ اسی طرح ۵۰۰ ق م میں ایک اور حکیم نے ہوا کو توانائی اور حیات کا اصل منبع قرار دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ایک خیالِ خام سے زیادہ نہیں ہے۔ اسی طرح اور یونانی حکماء نے اپنی خیال آرائیاں کیں۔ مختلف عناصر اور مرکبات کو مبدءِ حیات سمجھتے رہے، لیکن ان خیالات کی اب صرف تاریخی اہمیت رہ گئی ہے۔ البتہ ان مباحث سے ایک فایدہ یہ ضرور ہوا کہ متجسس آنکھوں کے سامنے تحقیق و تدقیق کے کئی راستے کھل گئے۔

اس تحقیق کی دوسری منزل ۱۸۳۹ء ہے جبکہ دنیا خلیوں کی کائنات سے روشناس ہوئی۔ خلیوں کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ ایک قدرتی ساخت ہوتی ہے۔ یہ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ خوردبین کے بغیر نظر نہیں آتے، ان کی شکل شہد کی مکھی کے چھتے کی سی ہوتی ہے۔ ہر خلیہ (یا Cell) ایک جھلی سے گھرا ہوا ہوتا ہے۔ خلیے کے اندرونی حصّے میں ایک رقیق دانہ دار مایع ہوتا ہے، اس کو "نخزمایہ" یا ابتدائی جان دار مادہ کہنا چاہیئے۔ نخزمایہ (یعنے Protoplasm) کے بیچ میں ایک اور جسم ہوتا ہے جو رنگوں کو آسانی سے قبول کرنے کی وجہ سے گہرے رنگ کا نظر آتا ہے، اور اس کو مرکزہ (یا Nucleus) کہتے ہیں۔ تمام پودوں اور جانوروں کے جسم انھی خلیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ اس انکشاف کے بعد سائنس دانوں کا خیال ہوا کہ یہ خلیہ ہی زندگی کا پہلا جزو، یا اکائی ہے۔ اسے ایک مکمل جان دار عضویہ سمجھا جا سکتا ہے جو حیات کے جملہ افعال انجام دیتا ہے۔ چنانچہ ایمبیا، اور کلا میڈومانس، و دیگر خلوی عضویے ایسے ہیں جو جملہ حیاتی افعال انجام دے لیتے ہیں۔

اگر ہم اس حقیقت کا پتا لگانا چاہیں کہ جان دار سے بے جان کی کیسے ابتدا ہوئی، تو ہم کو پہلے ایک تعریف کی تلاش کرنی چاہیئے۔ جان دار یا ذی حیات کے کیا معنے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ حیات ہمیشہ کاربن نامی مشہور عنصر کے ساتھ وابستہ سمجھی جاتی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاربن کا، چند اور عناصر، یعنے نائٹروجن۔ ہیڈروجن اور آکسیجن کے ساتھ مل کر مرکب بنانا ضروری ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ حیات مقناطیسیت اور تابکاری (Radioactivity) کی طرح تمام جواہر میں پوشیدہ ہے۔ یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ حیات ایک پُر اسرار شئے ہے جس کے ظہور کے لیے مادّے اور توانائی کا ملاپ ضروری ہو۔ بات یہ ہے کہ کوئی خصوصیت بھی ایسی نہیں جس کو ایک عالم حیاتیات، ذی حیات اشیاء سے مخصوص کر سکے، اور جس کا اطلاق

بے جان مادّے پر بالکل نہ ہوتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک عضویہ (یعنے Organism) اپنی طرح کے اور عضویوں کی تولید کر سکتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں نمک کا ایک قلم بھی، جو ایک بے جان چیز ہے، یہ کام کر سکتا ہے۔ ایک مجروح غوک بچہ (یا Tadpole) اپنی نئی دُم پیدا کر لے سکتا ہے، لیکن ایک منتشر جوہر (یعنے Mutilated atom) بھی اپنی اصلی حالت پر واپس آسکتا ہے۔ ابتدائی آبی حیوان امیبا، بیرونی محرکات سے متاثر ہوتا ہے تو ایک گیسی سالمہ بھی بیرونی محرکات جیسے برقی اور مقناطیسی میدان کے اثرات کو قبول کرتا ہے۔ انسان اور آبی حیوان پیرامیشیم، دونوں سانس لیتے ہیں، لیکن کچھ بے جان اجسام بھی ہیں جو آکسیجن استعمال کرتے اور کاربن ڈائی اکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے بھی بیکٹریا جراثیم ہیں جو بغیر آکسیجن کے زندہ رہتے ہیں۔ بہرحال حیات کی کوئی مخصوص پہچان نہیں، اور نہ کوئی ایسا موزوں امتحان ہے جس سے تمام صورتوں میں اس کی تمیز ہو سکے۔ 'حیات' کی تعریف اس طرح نہیں کی جاسکتی جیسے کہ ایک چوہے یا کُتّے کے متعلق ہو سکتی ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہم اس کی کیفیات سے آشنا ہیں، اور اس لیے اس کو پہچان سکتے ہیں۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ چوہا ایک زندہ حیوان ہے، اس کے پیر کاٹ ڈالیے تو بھی چوہا بدستور زندہ رہتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ اس کو چیر کے اس کے دل کو نکال لیں اور اسے اس کے مخصوص ماحول کے اندر کسی آلے میں رکھیں تو کئی مہینے تک چوہے کا یہ عضو زندہ رہ سکتا ہے۔ اس پورے عضو کو نکالنا بھی ضروری نہیں۔ دل کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو کاٹ کر مناسب اور موافق حالات کے تحت، ایک غذا رساں محلول میں رکھیں تو بافت کا یہ جزو اپنے کل سے علٰحدہ ہونے پر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔

خوردبین سے معلوم ہوتا ہے کہ بافت (یا Tissue) واحداکائیوں کا مجموعہ ہے، اور نازک جھلیوں کی دیواروں کے اندر چھوٹے چھوٹے سریشی مائع کے قطرے پائے جاتے ہیں۔ بافت کا ہر فرد ایک زندہ خلیہ ہے۔ اور یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ بافت کے ہر فرد کو شیشے کے برتن میں خاص محلول کے ساتھ نہ صرف زندہ رکھا جاسکتا ہے، بلکہ اس میں نشوونما بھی ہو سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ خلیہ کو بافت سے، اس کی صحت مند حالت میں آسانی سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ بعض خلیے آزادانہ طور پر زندہ رہتے ہیں، چنانچہ خلوی پودوں اور جانوروں کی کئی مثالیں ملتی ہیں جو اپنی چھوٹی سی کائنات میں تمام حیاتی افعال پورے کر لیتے ہیں۔ بافتی خلیے اسی قسم کے مخصوص فرد ہیں۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیات یعنے اس کُل کو اعضا میں تقسیم کر کے

ہر عضو کو زندہ رکھ سکتے ہیں۔ اعضا کی بافتوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے، اور بافت انفرادی طور پر زندہ رہ سکتی ہے۔ بافتوں کی خلیوں میں تقسیم ہو سکتی ہے، اور ہر منفرد خلیہ زندہ رہ سکتا ہے۔

یہاں مبداء حیات کے سوال میں یہ دیکھنا ہے کہ آیا متذکرۂ بالا بحث اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کافی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک خلیہ کا جزو بھی انفرادی طور پر زندہ رہ سکے؟ یا کیا ہم خلیہ کی مزید تقسیم کر سکتے ہیں، یا خلوی کل میں کوئی ایسا جزو تلاش کر سکتے ہیں جو دوسرے اجزا کی نسبت زیادہ "زندہ" ہو، کوئی اور چھوٹی وحدت جو اس پوشیدہ شعلۂ حیات کی چنگاری ہو، یا مختصر الفاظ میں، وہ جگہ جہاں سے حیات کی ابتدا ہوئی ہو؟

یہ ایک دلچسپ، لیکن مشکل سوال ہے۔ یہاں چند جدید تحقیقات، اور ان مختلف کوششوں پر ایک سرسری نگاہ ڈالنی ضروری ہے جو اس سوال کو حل کرنے میں مدد دیتی ہیں۔

(ا)

طاقتور خوردبین سے کسی خلیہ کا معاینہ کیا جائے تو یہاں اَن گنت تبدیلیوں کی ایک دُنیا نظر آتی ہے۔ خلوی دیوار کی نازک پرت میں تخم مایہ (یا پروٹوپلاسم) بہتا اور گردش کرتا ہے، غالباً یہ زندہ مادّے کی حرکت ہے۔ لیکن اس متحرک مادّے کے علاوہ خلیہ میں چند غیر متحرک چیزیں بھی ملتی ہیں۔ وسط میں ایک کروی یا بیضوی شکل کا حصہ ہوتا ہے جو اپنے آس پاس کے مادّے سے زیادہ گہرا ہوتا ہے، یہ اندرونی تخم مایہ خلوی مرکزہ ہے جو خلیہ کا سب سے اہم جزو ہے اور یہ خلیے کے تمام معاملات پر قابو رکھتا ہے۔ اور جو مائع اس کو گھیرے ہوئے ہے خلیہ مایہ (Cytoplasm) کہلاتا ہے۔ یہ مرکزہ بیکٹیریا (یا) جراثیم، بعض الجی (یعنی ابتدائی سبز پودے) اور پستانی خون کے سُرخ جسیموں کو چھوڑ کر باقی تمام قسم کے خلیوں میں واضح طور پر پایا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ خلیہ کو مارے بغیر خلوی دیوار میں سوراخ کر دیا جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خلیہ کو مارے بغیر خلیہ مایہ (Cytoplasm) کا بیشتر حصہ نکال لیا جائے۔ اصل میں اس نقصان کی تلافی نئے خلیہ مایہ کی تیاری سے ہو جاتی ہے۔ غوکچہ کی طرح ایک خلیہ بھی اس قابل ہوتا ہے کہ محدود تولید کر سکے، لیکن اگر مرکزہ کو ضرر پہنچایا جائے تو صورتِ حال بالکل بدل جاتی ہے۔ یہ اندرونی حصہ نہایت اہم اور ضروری ہے، اس کے کسی حصے کی علیحدگی بھی خلیہ کی زندگی کو ختم کر دیتی ہے۔

اگر ہم تخم مایہ یا پروٹوپلاسم کے مخصوص حصوں کو جنہیں (Germ cells) ثابت خلیے یا تناسلی خلیے کہتے ہیں، منتخب کر لیں تو مرکزہ کی اس اہمیت کو تجربے سے سمجھا سکتے ہیں۔ غالباً یہی، یعنی مادہ کے (Egg cells) بیضوی خلیے اور نر کے (Sperm cells) یا منوی خلیے دور ارتقا میں حیات کے مخصوص حامل ہو گئے۔ چند سال پہلے یہ تحقیق ہوئی تھی کہ کسی بیضے (مثلاً Sea urchin کے بیضے) پر نمک کے محلول یا اس میں سوئی چبھانے کے عمل یا کسی اور میکانکی عمل سے خلیہ میں مصنوعی طور پر ایچ پیدا کی جا سکتی ہے اور وہ نمو پا کر ایک نیا (Sea urchin) بن جاتا ہے۔ یہاں بیضہ کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کر سکتے ہیں کہ ایک نصف مرکزہ (یعنے Nucleus) آجائے اور دوسرا نصف بغیر مرکزے کے رہے۔ وہ نصف جس میں مرکزہ موجود ہے بارور ہو سکتا ہے اور دوسرا عقیم رہ جاتا ہے۔ بعض حیوانوں کی صورت میں جن میں مرکزہ بیضے کا ایک بہت چھوٹا حصہ ہوتا ہے، مرکزے کو نکال دینے سے بیضے کی جسامت میں زیادہ فرق تو نہیں ہوا، لیکن ایسے بے مرکزہ بیضے میں تولیدی قابلیت باقی نہیں رہی۔

عموماً قدرت میں (Sperm) یا منویہ کے بیضے (Egg) میں دھنس جانے سے باروری ہوتی ہے۔ منویہ (Sperm) مرکزے سے پیوست ہوتا، اور اسی میں مل جاتا ہے (Sperm cell) منوی خلیہ بہت زیادہ چھوٹا ہوتا ہے، اور ایک مرکزی سرا اور (Cytoplasm) کے ایک چھوٹے باریک ناگہ نما حصے پر مشتمل ہوتا ہے۔ اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود یہ منوی خلیہ (Sperm Cell) اپنے اجداد کی تمام خصوصیات کا حامل ہوتا ہے، جو بعد کو بچہ میں نمودار ہوتی ہیں۔

یہاں ایسے بیضے کے متعلق جس میں سے مرکزہ نکال لیا گیا ہو ایک دلچسپ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منوی خلیہ (Sperm cell) شعلۂ حیات کو اس بیضے تک پہنچاتا ہے یا نہیں؟

جب بیضے کا صرف ایک حصہ جو خلیہ مایہ (Cytoplasm) پر مشتمل تھا، اس کی اپنی نوع کے ایک منوی خلیے (Sperm cell) سے ملایا گیا تو تخم یا (Sperm) بیضے (Egg) کے اس ٹکڑے میں داخل ہوا، اور اس ادخال کے ساتھ ہی مرکزے کا مادہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ تجربے سے دیکھا گیا کہ بیضے کے ایسے حصے کی احیاء ہوئی، اس کی تقسیم ہونے لگی اور یہ نمو پا کر ایک نئے فرد میں تبدیل ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرکزہ ہی حیات کا حامل سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ حیات پر کتنا قادر ہے اور اپنی چھوٹی سی جسامت کے ساتھ کتنی اہمیت

رکھتا ہے اس کا تذکرہ (J. Mueller) کی کتاب (Out of the Night) میں کیا گیا ہے۔ انھوں نے اندازہ لگایا ہے کہ تمام انسانی (Sperms) یا منویے اور بیضوں کے ضروری مادے کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ان کی جسامت ایک اسپیرن کی ٹکیہ کے برابر ہو جائے گی حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر مُلر کے بیان پر ذرا مشکل سے یقین ہو سکتا ہے۔ انھوں نے ایسے مرکزوں کے متعلق قیاس کیا ہے جو تمام دنیا میں کروڑں اور اربوں کی تعداد میں انفرادی حیثیت سے واقع ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خلوی مادہ بہت پیچیدہ ہے، اور اس کے ساتھ ہی دُنیا کی تمام چیزوں میں سب سے زیادہ قیمتی اور اہم بھی۔

اس کی بعض پیچیدگیاں مناسب توشیہ (یعنے Stain) یا رنگوں کے استعمال سے) کرکے خوردبین کے ذریعے دیکھی جا سکتی ہیں۔ مرکزے کے اعضا کا اچھی طرح مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ کروموسومز، جو چھوٹی چھوٹی مختلف شکل کی ساختیں ہیں، نظر آتے ہیں۔ کروموسومز صرف تناسلی یا ثابت خلیوں ہی میں نہیں بلکہ جسدی خلیوں (یعنے Somatic or Body Cells میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہر خلیہ میں ان کی ساخت ایک ہی طرح کی ہوتی ہے۔

پودے اور حیوان کی ہر نوع میں ان مرکزی اعضا (یعنے Nuclear organs) کی ایک تمثیلی تعداد ہوتی ہے اور ہر ایک میں مخصوص شکل، سائز اور ترتیب ہوتی ہے۔ اناج کے خلیوں میں بیس کروموسومز ہوتے ہیں۔ لیلی (Lily) کے خلیوں میں چوبیس، مینڈک میں چھبیس، انسان میں اڑتالیس اور گھوڑے میں ساٹھ لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ہاتھی اور وہیل جیسے بڑے جانوروں میں کروموسومز کی کیا تعداد ہوتی ہے جو انسان کے کروموسومز کی یعنے اڑتالیس لیکن جنوبی امریکہ کے بندروں کی صورت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ان میں کروموسومز کی تعداد چوّن ہوتی ہے۔

ان خوردبینی مرکزی اجسام، اور مسئلہ وراثت میں تعلق کی دریافت بیسویں صدی کی تحقیقات میں سے ہے۔ (Thomas Hunt Morgan) پھل مکھیوں (fruit flies) پر متعدد تجربے کیے گئے اور ان کے ساتھیوں نے جو کولمبیا یونیورسٹی میں تحقیقی کام انجام دے رہے ہیں ان چھوٹے حیوانوں کی جن کا نام Drosophila Melanogaster ہے) بوتلوں میں پرورش کی۔ ان کے نمو اور تولید کے لیے مقدور بھر مناسب حالات فراہم کیے اور کئی پشتوں تک ان کی ایک ہی نسل کو برقرار رکھا۔ جیسے ہی نئی مکھیاں پیدا ہوتیں یہ ماہرانِ حیاتیات ہر نو عمر فرد کا مطالعہ کرتے کہ کسی قسم کی تبدیلی ان کی طبعی خصوصیات میں تو

نہیں واقع ہوتی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد انھوں نے مختلف تبدیلیاں دیکھیں۔ مثال کے طور پر ڈروسوفائلا کی ابھری ہوئی آنکھیں عموماً سرخ ہوتی ہیں۔ لیکن کبھی ان سے سفید آنکھ والے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں۔

مارگن (Morgan) اور اس کے ساتھیوں نے ان ناگہانی تبدیلیوں (Mutations) کی توجیہ اُس تبدیلی سے کی جو مکھی پیدا کرنے والے بیضے کے کروموسومز کے ایک مخصوص حصے میں واقع ہوتی ہے۔ بعد کو انھیں معلوم ہوا کہ ([illegible]) پَروں میں بہت سی تبدیلیاں ہوگئیں۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ عملاً مکھی کی ہر خصوصیت میں بیسیوں اختلافات ہوتے جاتے ہیں۔ غرض ان تمام طبعی تبدیلیوں کی توجیہ اُن لوگوں نے اس طرح کی کہ کروموسومز میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر ملر کے شعاعی عملوں سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ملر نے بتلایا کہ مکھیوں پر لاشعاعوں کا عمل کریں تو ناگہانی تبدیلیوں (Mutations) کی رفتار طبعی حالت کی نسبت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس سے کروموسومز کے مخصوص حصوں، اور کروموسومز سے پیدا ہونے والی مکھیوں کی طبعی خصوصیات میں راست رشتہ معلوم ہوتا ہے۔ ان چھوٹے خلوی اعضا میں شعاعوں کا ادخال تخریبی بھی تھا، اور تعمیری بھی۔ بعض صورتوں میں کروموسومز کے ایک حصے کو سخت صدمہ پہنچا، اور وہ بالکل غایب ہو گیا، اور بعض میں اس حصے کے دوسرے کروموسومز سے مل جانے سے ایک غیر طبعی جسامت اور شکل کی نئی ساخت پیدا ہوئی۔ دوسرے تجربوں میں کروموسومز کی دو دو حصوں میں تقسیم کی گئی اور ایک کے نصف کی جگہ دوسرے کا نصف رکھا گیا، اس طرح نئی مخلوط شکلیں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس طرح کے تمام تجربوں کے نتیجے کے طور پر سائنس دانوں کو یہ خیال ہوا کہ کروموسومز سادہ مسلسل کل (Simple continuous whole) نہیں ہیں بلکہ ان کی پیچیدہ قسم کی ایک دنیا ہے، جو نہایت چھوٹی تبدیل پذیر اکائیوں سے بنی ہوئی ہے۔ یہی اکائیاں جین (Genes) کہلاتی ہیں۔

کسی نے اب تک جین (Gene) کی شکل نہیں دیکھی۔ زیادہ طاقتور خوردبین کے عمل سے بھی اس کی وضاحت ناممکن سی ہے لیکن جس طرح مادہ کے کیمیادی اور مناظری (Optical) پہلو کے لیے ہم جوہر (atom) جیسی اَن دیکھی چیز فرض کر لیتے ہیں اسی طرح ضرورت ہے کہ تخم مایہ یا پروٹوپلاسم کے نموی پہلو پر روشنی ڈالنے کے لیے اَن دیکھے جین (Gene) کا وجود بھی فرض کر لیں۔ جین ایک واحد ساخت ہے جو جوہر وراثت ہے۔

لیکن یہی ہمارا حاصل نہیں موجودہ تحقیقات سے ایک اور بنیادی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔ تجربات سے ثابت ہوتا ہے کہ جین کو نقصان پہنچانے سے خلیہ بھی بڑی حد تک متاثر ہوتا ہے۔ بعض جین (Genes) ضائع ہو جائیں تو موت بھی واقع ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خلیہ کے افعال میں جین (Gene) کا فعل صرف وراثت پر قابو حاصل کرنا ہی نہیں، بلکہ حیات کو قبضے میں رکھنا بھی ہے۔

۲

جین کی حیاتی اہمیت کی دریافت کا سہرا ڈاکٹر (Demerec) کے سر ہے، وہ (Carnegie Institution of Washington) کے Geneticist ہیں۔
چند سال سے ڈاکٹر ڈیمیرک، ڈروسوفالا مکھی کی تولیدی قوت پر ناگہانی تبدیلیوں کے اثرات کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے یونیورسٹی آف ٹکساس (Texas) کے تجربوں سے بھی فایدہ اُٹھایا۔ اس جین کی جسامت کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں، لیکن اس مسئلے کو حل کرنے کا غالباً یہ اچھا طریقہ ہے کہ کروموسومز میں جین (Genes) کی تعداد معلوم کی جائے اور کروموسومی مادے کے طول کی اس جین کی تعداد سے تقسیم کی جائے۔ اس سے ایک اوسط قیمت حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جین کی تعداد کروموسومز میں ان مقامات کی تعداد کے متناسب ہوتی ہے جہاں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ ڈروسوفالا پر تجربے کر کے معلوم کیا گیا ہے کہ ایسے مقامات تین ہزار ہیں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ ہر خلیہ میں تقریباً تین ہزار جین (Genes) ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی آف ٹکساس کے ڈاکٹر (Painter) نے ۱۹۳۲ء میں جین (Genes) کی تعداد معلوم کرنے کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا۔ انھوں نے پھل مکھی کے لعابی غدود پر تجربے کیے۔ یہ غدود کافی بڑے خلیوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر Painter نے معلوم کیا کہ ان خلیوں کے کروموسومز میں جین زنجیر کی شکل میں ہوتے ہیں۔ کروموسومز کی ہر پٹی بہ ذات خود جین نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی جین gene کے حامل ہیں۔ اور ڈاکٹر پینٹر کے الفاظ میں: "یہ پٹی وہ مقام ہے جس میں جین رہتا ہے۔" لہٰذا ان پٹیوں کی تعداد معلوم کر لینے سے جین (gene) کی تعداد معلوم ہو جاتی ہے۔ (Calvin B. Bridges) اور کر وغیرہ نے ان پٹیوں کی تعداد معلوم کی ہے، لیکن ہم یہاں (Bridges) کی گنتی کو لیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ڈروسوفالا کی مکھی کے خلیے میں تقریباً پانچ ہزار جین ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک جین کروموسومی مادے کے [illegible] حصے کے برابر ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حیات کی اس اکائی کی ماہیت کیا ہے؟ اس کا ایک دلچسپ جواب ڈورتھی ایم ونچ Dorothy M. Winch کے تجربوں میں ملتا ہے، وہ کروموسومز کو خاص قسم کے پروٹینی سالموں کے متعدد رشتک سمجھتے ہیں، لیکن عام طور پر Geneticists ذرّے کے تخیل پر زور دیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر ڈیمرک جین Gene کو ایک نامیاتی ذرّے کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ یہ ایک واحد بڑا سالمہ ہے، اس سالمے کی ساخت ایک پیچیدہ مرکب پر مشتمل ہے جسے (Thymo-Nucleic acid) کہتے ہیں۔ یہ مرکب Nuclear Proteins کے کیمیاوی تجزیئے سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا ایک سالمہ ہیڈروجن، کاربن، آکسیجن، نائٹروجن اور فاسفورس کے جملہ (۱۵۲۴) جوہروں پر مشتمل ہوتا ہے اکثر و بیشتر کسی ایک جوہر کے نقصان سے بھی جین Gene کی ساخت بالکل بدل جاتی ہے، اس کا دوہرا ہونا (Duplication) ناممکن سا ہو جاتا ہے اور اس سے خلیہ کی تقسیم بھی اکثر صورتوں میں رُک جاتی ہے۔

غرض ہم اس طرح نخز مایہ تک پہنچتے ہیں، جہاں ایک چھوٹی سی وحدت غیر معمولی طور پر اہم معلوم ہوتی ہے۔ اس چھوٹی سی وحدت پر ہی جین (Gene) کے افعال کا دارومدار ہے۔ جین کی غیر موجودگی میں کروموسومز بے کار ہو جاتے ہیں، اور پھر کروموسومز معطل ہو جائیں تو خلیہ ہی باقی نہیں رہتا، وہ اپنے افعال انجام نہیں دے سکتا، اس کا نمو رُک جاتا ہے، تولید بند ہو جاتی ہے اور حیات باقی نہیں رہتی۔ اب اگر جین کے افعال پر حیات کا دارومدار ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا ہم حیات کے متعلق یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کی ابتدا جین (Gene) کی حرکت سے ہوئی؟

جین کی اس حرکت کے تین نتائج یقینی ہیں:۔

(۱) یہ کہ جین Gene دوہرا ہو جاتا ہے

(۲) یہ کہ جین (Gene) میں کبھی ناگہانی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی ہیں

(۳) یہ کہ جین (Gene) کو اپنے امتیازی طبعی خصوصیات پر قابو رہتا ہے اور ان کو وہ اپنی اولاد میں منتقل کرتا ہے۔

لیکن یہ تمام مظاہر جین کے گروہوں ہی میں دیکھے گئے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ ہم جین کو گنجان کروموسومز میں ان کی حرکات سے جان سکے ہیں۔ ایک واحد جین میں جو اپنے گروہ سے علٰحدہ کر دیا گیا ہو یہ مظاہر دیکھنے میں نہیں آتے۔ چنانچہ ڈاکٹر VAM. Dug خیال ہے کہ ایک واحد جین برباد کن ہی ہو سکتا ہے۔ انھوں نے اس سلسلے میں (Virus) تذکرہ بھی کیا ہے۔

وائرس (Virus) کا وجود کوئی چالیس برس سے معلوم ہے اور عرصے سے یہ خیال ہے کہ وائرس (Virus) سب میں اولین زندہ شے ہے۔ گذشتہ تین سال کے عرصے میں اس پر بہت کچھ کام ہوا ہے، اس سلسلے میں ڈاکٹر (Wendell M. Stanley) کے تجربات بہت اہم ہیں۔ ان کے تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں لیکن ان کا حاصل یہ ہے کہ وائرس (Virus) کی ماہیت کے متعلق ہم کو بہت سے قیمتی معلومات ملتے ہیں۔ مختلف بیماریوں جیسے فائج۔ انفلوئنزہ۔ زرد بخار۔ (Sleeping Sickness) وغیرہ اور نیز بہت سی پودوں کی بیماریوں کا سبب یہی وائرس ہیں۔ ڈاکٹر (Stanley) نے متعدد بار وائرس کو قلمایا، خوردبینی مطالعے میں چمکدار سوئی نما ساختوں کا ایک تودہ نظر آتا ہے۔ ان میں کی ہر سوئی کو ایک وائرس نہیں سمجھا جا سکتا، بلکہ جس طرح شکر کا ہر قلم شکر کے متعدد سالموں پر مشتمل ہوتا ہے، ٹھیک اسی طرح ان قلمی شوکوں (Spikes) کا ہر فرد پروٹین کے لاکھوں سالموں کا ایک گچھا ہے اور ہر سالمہ ایک واحد وائرس ہے۔ (Stanley) کے کیمیاوی تجزیئے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وائرس (Virus) کا سالمہ کاربن۔ ہیڈروجن۔ نائٹروجن اور آکسیجن پر مشتمل ہوتا ہے لیکن اس میں گندک اور فاسفورس نہیں ہوتی۔ اس سالمے میں کاربن۔ ہیڈروجن وغیرہ کے جوہروں کے تناسب اور سالمے کی ساخت کے متعلق ابھی تحقیقات جاری ہیں۔

وائرس Virus کے متعلق Stanley کے تجربوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں جاندار اور بے جان دونوں کی خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ غالباً وائرس کے سالمے کی دو حیثیتیں ہیں، وہ زندہ ہے بھی اور نہیں بھی۔ زندہ مناسب ماحول میں جو اس کے لیے مفید ہو، اور بے جان کسی دوسرے ماحول میں۔ وائرس کی دریافت اور اس کے خواص کا مطالعہ ہماری صدی علم حیاتیات کی سب سے بڑی ترقیوں میں سے ہے۔

۳

قلمائے ہوئے وائرس (Virus) کا چھوٹا سا ٹکڑا تمباکو کے پتے پر ڈال دیا جائے تو پورا پودا بیمار ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں، بلکہ تمباکو کا پورا کھیت اس سے متاثر ہوتا ہے، اس بیماری کا نام Mosaic Disease ہے، اس کے (Mosaic proteins) اکثر باتوں میں جین (Gene) سے مشابہت رکھتے ہیں، دونوں کی تقریباً ایک ہی جسامت ہوتی ہے، دونوں سالمے ہیں جو خاص ماحول میں اپنے کو دہرا سکتے ہیں، دونوں اپنی اس تولید کی خاصیت کو عرصہ دراز تک ملتوی رکھ سکتے ہیں اور مناسب ماحول مل جانے پر ان میں تولید کی خاصیت پھر ظاہر

ہو جاتی ہے۔ جین (Gene) بعض اوقات غیر قیام پذیر ہوتے ہیں اور (Stanley) نے اپنے قلمی پروٹین میں بھی کچھ اسی طرح کی خاصیت دیکھی ہے Carnegie Institution of Washington کے ڈاکٹر Oscar Riddle نے جین اور وائرس کے تعلق پر دلچسپ تجربے کیے، ان کا خیال ہے کہ جین، وائرس کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ عضویوں کی نمائندگی کرتا ہے لیکن یہاں بھی :-

"فرد قایم ضبطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں"

ایک جین (Gene) تنہا کچھ نہیں۔ ڈاکٹر Riddle کے خیال میں ایک واحد جین کوئی فعل انجام نہیں دیتا۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک واحد جین کو ذی حیات سمجھنے میں بھی تامل کرتے ہیں۔ Stanley بھی اپنے قلمی پروٹین کے متعلق کچھ ایسا ہی خیال رکھتے ہیں۔

ازوٹوبیکٹر (Azotobacter) نامی ایک جرثومہ ہے، جو زمین کے اندر رہتا ہے، وہ سانس لیتا ہے اور اپنے ماحول سے غذا حاصل کرتا ہے، وہ نشو و نما پاتا اور اپنی تعداد کو بڑھاتا جاتا ہے چنانچہ اس کو تمام علما حیاتیات متفق طور پر ذی حیات سمجھتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ ازوٹوبیکٹر میں ایک اور اہم و دلچسپ خاصیت پائی جاتی ہے، وہ آزاد ہوا سے نائٹروجن حاصل کرتا ہے اور زمین سے بعض کیمیاوی مادّوں کو جذب کرتا ہے، ان مادّوں اور نائٹروجن کے امتزاج سے وہ عجیب و غریب طریقے پر امونیا بناتا ہے۔ اس سے امائنو ترشے اور پھر ان سے پروٹین بنتے ہیں، یہ چیز حیات کے لیے بہت ضروری ہے کیوں کہ بغیر پروٹین کے تخمِ مایہ یا پروٹوپلاسم حاصل نہیں ہوتا۔ پروٹین بنانے کی قابلیت ہی حیات کا ثبوت ہے۔

ماسکو کی (Academy of Sciences) میں تین روسی کیمیا دانوں نے حال ہی میں ازوٹوبیکٹر پر متعدد تجربے انجام دیے ہیں، ان کے نام (A. M. Bach) Z. V. Yermolieva اور (M. P. Stepanian) ہیں انھوں نے تھوڑے سے بیکٹریا کو شیشے کے برتن میں لے کر شکر سے ان کی پرورش کی، اس سے وہ امونیا کی قلیل مقدار حاصل کر سکے اس کے بعد ان کیمیا دانوں نے جراثیم کو اکٹھا کرکے کوٹا، پیسا اور دباؤ کے تحت ان سے ایک رس حاصل کیا، اس بیکٹریائی مادّے کو خوب چھان لیا، صاف مقطر میں انھوں نے شکر ملایا اور ہوا کی تھوڑی سی مقدار محلول میں سے گزاری، مقطر میں جیسا کہ ان کا بیان ہے، کافی مقدار میں امونیا پیدا ہو گئی یہاں بے جان رس میں کوئی پوشیدہ چیز وہ کام کر رہی ہے جس کو کہ بیکٹریا نے انجام دیا تھا۔

پروفیسر Bach اور ان کے ساتھیوں نے اس واقعے کی توجیہ اس طرح کی کہ

زمین میں ٹیکٹر میں نائٹروجن کی تثبیت ایک عامرے (یا Enzyme) کی بدولت ہوتی ہے۔ عامرہ یعنی خمیر پیدا کرنے والا مادّہ حامل (یا Catalyst) ہے اور حامل ایک ایسا مادّہ ہے جس سے دوسرے مادّوں کے آپس میں تعامل میں مدد ملتی اور تعامل کی رفتار تیز ہوتی ہے لیکن وہ خود تعامل سے متاثر نہیں ہوتا۔ روسیوں کا خیال ہے کہ ان کے تجربے میں مفظر کے ساتھ وہ نامیاتی حامل آجاتا ہے اور اس طرح وہ ثابت کرتے ہیں کہ حامل اتنی ہی قوت سے شیشے کے برتن میں اپنا عمل کرتا ہے جتنا کہ قدرت میں جاندار عضویے کرسکتے ہیں۔

حیات کی تعریف غالباً یوں کی جاسکتی ہے کہ وہ مادے کی تنظیم کے لیے ایک اسٹیج ہے از وائرس بیکٹر (Aptobacter) سے انسان تک حیات کا تدریجی ظہور عضویوں کے ایک مسلسل ارتقاء کا نتیجہ ہے جو بہت پیچیدہ طریقے پر واقع ہوا ہے۔ ٹھیک اسی طرح مادے میں (Protons) سے شروع کرکے متعدد برقی ذرّات کا ظہور جس سے جزلومہ کی پیدائش عمل میں آتی ہے، ایک پُراسرار اور پیچیدہ طریقے سے ہوا ہے۔

(Electrons) اور (Neutrons) اپنے اطراف کے برقیوں (Protons) کے ساتھ جوہر بناتے ہیں، لیکن جوہروں میں کسی صورت میں بھی حیات نہیں مانی جاسکتی۔ جوہروں سے سادہ مرکبات کے سالمے بنتے ہیں جیسے پانی، نمک وغیرہ کے سالمے لیکن ان حاصل مرکبات میں بھی حیات کا پتا نہیں چلتا۔ قدرت میں ان سادہ سالموں سے زیادہ پیچیدہ سالمے بنتے ہیں جیسے شکر اور دوسرے کاربوہیڈریٹ۔ چربیاں اور دوسرے ہیڈروکاربنز، اور کسی خاص طریقے پر جوہر آپس میں مل کر حامل (Catalyst) پیدا کرتے ہیں جن میں عامرے (یا Enzyme) کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ابتدا میں حامل سے امائنو ترشے بنتے ہیں اور پھر ان سے پروٹین۔ سادہ پروٹین، پیچیدہ پروٹین میں تبدیل ہوتے جاتے ہیں اور بالآخر وہ بڑے سالموں کے گروہوں کی شکل میں آپس میں مل جاتے ہیں اور کسی پُراسرار طریقے پر اولین جین (Gene) پیدا کرتے ہیں۔ یہ بڑے سالمے زنجیرے کی شکل میں ایک دوسرے سے متعلق ہوجاتے ہیں اور اس طرح کروموسوم بناتے ہیں، اُن کے خواص کا ظہور ہوتا ہے، ان کا آپس میں الحاق بڑھتا جاتا ہے، ہر فرد دوہرا ہوتا، تقسیم پاتا اور اس طرح اپنی تعداد اضافہ کرتا جاتا ہے پھر اُس کُل میں داخل ہوتا ہے جو مسلسل طور پر حرکت میں ہے، اُس طاقت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جسے ہم "حیات" کہتے ہیں۔

یہاں اُس اصلی مقام کا پتا لگانا مشکل ہے جو حیات کا مبدء ہے، لیکن شاید ایسا سمجھنا قرینِ قیاس

ہوسکتا ہے کہ غیر ذی حیات میں حیات کی ابتدا پروٹین بنانے والے عامل (Catalyst) کے ظہور سے ہوتی ہے۔ جین (Genes) کو اولین زندہ وحدت سمجھا جاسکتا ہے اور وائرس (Viruses) حیات کے سب سے قدیم اور اولین خوشہ چیں (Precursor) تصوّر کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہ خیال صحیح ہے کہ ان دونوں عضویوں میں سے کوئی بھی خامرے (Enzyme) سے قدیم تر نہیں۔ خامرے کو شاید حیات تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ "حیات" کا خوشہ چیں ضرور ہے اور جس جگہ بھی وہ فاعل (Active) بن جاتا ہے وہی "مبدء حیات" ہے۔

عبدالحفیظ صدیقی

آجکل

ہر سُو نشاط و کیف کا ساماں ہے آجکل
عالم تمام صبحِ بہاراں ہے آجکل

موجِ شراب زیست کا عنواں ہے آجکل
کونین غرقِ مستیٔ عصیاں ہے آجکل

قطرہ میں سلسبیل کی موجوں کا ہے فروغ
ذرّہ طلوعِ صبحِ گلستاں ہے آجکل

لطفِ نشاط کم نہیں ہوتا کسی طرح
ٹھیری ہوئی سی گردشِ دوراں ہے آجکل

فردا کی فکر ہے، نہ گذشتہ کا کوئی غم
دستِ جنوں میں ہوش کا داماں ہے آجکل

خود آرہے ہیں اُن کی طرف سے پیامِ شوق
اپنے کیے پہ حُسن پشیماں ہے آجکل

ٹھیرا ہوا ہے منزلِ عشرت پہ کارواں
قابو میں میرے عُمرِ گریزاں ہے آجکل

کہہ دو غمِ حیات سے فرصت نہیں مجھے
اُن کا خیال سلسلہ جنباں ہے آجکل

وہ کیفیت کہ زیست کا حاصل کہیں جسے
ماہرؔ تری نظر سے نمایاں ہے آجکل

ماہر القادری

قانون بلدیہ اس کے اختیارات اور اثرات

قانون بلدیہ کے لحاظ سے مجلس بلدیہ حیدرآباد کو اگرچہ کہ اس کی ترکیب جداگانہ ہے بالکلیہ وہی اختیارات حاصل ہیں جو بلدیہ بمبئی کو حاصل ہیں جسے ہندوستان کی سب سے بڑی بلدیہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ موازنے کی ترتیب اور منظوری۔ تقررات اور علیحدگی۔ جدید ٹیکس عائد کرنا وغیرہ ان سب اُمور میں بلدیہ بمبئی اور بلدیہ حیدرآباد بالکل مساوی الاقتدار ہیں۔

جہاں تک کہ ان امور کا تعلق ہے جو بہ موجب قانون بلدیہ مجلس بلدیہ انجام دے سکتی ہے یا جن کا انصرام وہ اپنے صواب دید پر کر سکتی ہے۔ بمبئی میں بھی یہ اُمور کم و بیش وہی ہیں جو یہاں کے قانون میں موجود ہیں۔ اسی طرح قانون بلدیہ حیدرآباد کی دفعات ۷۴ و ۷۸ ملاحظہ فرمائے جائیں جن میں مندرج ہے کہ :۔

"مجلس بلدیہ پر لازم ہے کہ ان سب اُمور کا مناسب اور معقول انتظام کرے، بجز اس کے کہ سرکار عالی نے کسی امر کا انتظام اپنے ذمہ رکھا ہو"

لیکن نفاذ قانون بلدیہ کے بعد سے سرکار عالی کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہیں ہوا کہ جس میں یہ صراحت رہتی کہ دفعہ ۷۴ میں مصرحہ کن اُمور کو سرکار عالی اپنے سے متعلق رکھنا چاہتی ہے۔ محض عمل درآمد کے لحاظ سے جو اُمور بہ وقت نفاذ قانون بلدیہ دیگر سررشتہ جات انجام دے رہے تھے وہی عمل قایم رکھ کر وہ تمام اُمور بہ دستور ان ہی سررشتہ جات سے متعلق رہے، بلکہ فائر برگیڈ کی سررشتہ کوتوالی کے تحت منتقلی عمل میں آئی اور محلہ جات کے نام رکھنے کی حد تک ذات شاہانہ کے ساتھ مختص کر دیا گیا۔

نتیجہ یہ ہے کہ گو اقتدار کی وسعت کے لحاظ سے بلدیہ حیدرآباد ہندوستان کی سب سے بڑی بلدیہ کے مساوی ہے، لیکن کارفرمائی کا لحاظ کرنے بعض مضافاتی بلدیات برطانوی ہند کے مقابل بھی نہیں ہے۔

اس کے خلاف بلدیہ بمبئی وہ سب کام انجام دے رہی ہے جو بہ موجب قانون اس سے متعلق ہیں۔ ڈرینج۔

آب رسانی۔ آرائش شہر۔ انتظامات تدفین و تحریق۔ نگرانی حیات و ممات۔ چیچک براری۔ امراض متعدی کا انسداد۔ شفاخانے سینی ٹوریم۔ مارکٹ مسالخ۔ نگرانی تجارت اشیائے خورد و نوش و مضر و خطرناک۔ فایر برگیڈ۔ تعمیر امکنہ و انہدام امکنہ خطرناک۔ مانع گرد تعمیر شوارع وغیرہ۔ برقی روشنی و آب پاشی شوارع۔ شوارع کی نام رکھائی کے علاوہ ابتدائی تعلیم۔ کتب خانے۔ میوزیم۔ چڑیا گھر۔ باغ۔ سڑکوں پر درختوں کی تنصیب۔ پیمائش آراضی۔ مردم شماری۔ انتظامات موسیقی و بانڈ نوازی اندرون حدود شہر بھی اسی سے متعلق ہیں۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بلدیہ بمبئی کے ساڑھے چار کروڑ موازنے میں حکومت بمبئی کی طرف سے کسی طرح کی گرانٹ یا امداد نہیں شریک ہے۔ بلدیہ بمبئی نے اپنے ہی صرفہ سے زمین دوز موریاں بنائی ہیں اور آب غلیظ کو سمندر میں بہا دینے یا اس کو صاف کرنے کے لیے انتظامات کا صرفہ بھی وہی برداشت کر رہی ہے۔ آب رسانی کے لیے شہر سے (۲۶) میل کے فاصلے پر کئی کروڑ کے صرفہ سے اراضی حاصل کرکے تالاب کی تعمیر۔ ڈبل پایپ لائین، اور ذخایر آب کا قیام کیا گیا ہے۔ بلدی اراضیات پر قبرستان مسان دخمے قایم ہوئے ہیں، اور ان پر بلدی عملہ نگراں ہے۔ خانگی قبرستان مسان بھی زیر نگراں ہیں۔ حیات و ممات سے متعلقہ اعداد بہت ہی عمدگی اور وسیع طرز پر محفوظ رہتے ہیں۔ ایسا ہی انتظام چیچک براری اور امراض متعدی کے انسداد کا ہے۔ کنگ اڈورڈ میموریل ہاسپٹل جو بلدیہ کا اپنا شفاخانہ ہے ہندوستان کے سب سے بڑے دواخانوں میں ہے زچگی خانے میں مراکز اطفال کو امداد دی جاتی ہے اس کے ساتھ ایک میڈیکل کالج بھی قایم ہے امراض دق کے لیے سینی ٹوریم موجود ہے۔ امراض خبایث کے لیے بھی جگہ جگہ مراکز علاج قایم ہیں۔ حدود شہر میں کئی مارکٹ ہیں جہاں لاکھوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ خانگی مارکٹ بھی ہیں مگر زیر نگرانی بلدیہ ہیں۔ مسلخ صرف ایک ہے اور حدود شہر سے دُور قایم ہے ایسی نگرانی وہاں کی جاتی ہے کہ جس سے بہت اچھا گوشت شہر میں ملنا ممکن ہے۔ مارکٹ میں کولڈ اسٹوریج قایم کرکے وہاں فروخت شدنی اشیاء کو دیر پا باقی رکھنا ممکن کیا گیا ہے، اور یہ سب باعث آمدنی ہے۔ فایر برگیڈ قایم ہے اور سارے ہندوستان میں ممتاز ہے۔ ہر حلقے کے لیے فایر اسٹیشن ہیں اور کئی کئی انجن ہیں۔ تعمیر امکنہ پر ایسی نگرانی ہے کہ مکان کا نقشہ بننے سے لے کر مکان میں قیام ہونے تک نگرانی رہتی ہے اور امکنہ محفوظ و دیرپا تعمیر ہونے کی طمانیت رہتی ہے۔ سارے شہر میں مانع گرد سڑکیں بلدیہ نے ہی تعمیر کی ہیں۔ سارے شہر میں روشنی شوارع بہ ذریعہ گیاس یا بہ ذریعہ قوت برقی ہوتی ہے، گو قوت ہادہ بلدیہ کا اپنا نہیں ہے بلکہ اسے مقامی کارخانوں سے خریدا جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے چوتھائی کروڑ روپیہ صرف کیا جاتا ہے اور دو حلقوں میں تعلیم جبری ہے۔ ماسوا اس کے بہت سارے مدارس اور

تعلیمی اداروں کو امداد جاری ہے متعلموں کا طبی امتحان، ان کا معالجہ اور کشافی بھی رائج ہے وکٹوریہ گارڈن میں میوزیم اور چڑیا گھر بھی قایم ہے شہر کی ہر جنبی پیمایش اراضی بلدیہ ہی سے ہوتی ہے۔

بالکل یہی حال بلدیۂ مدراس کا ہے وہاں بھی یہ ساری مصروفیات بلدیہ کی جانب سے جاری ہیں۔ البتہ یہ فرق ہے کہ جملہ کارہائے سرمایہ کے لیے حکومت مدراس سے نصف رقم بطور عطیہ اور نصف رقم بطور گرانٹ ملتی ہے لیکن انجام دہی بالکلیہ بلدیہ کے ذمہ ہے چند ایک حلقوں میں ڈرینج ابھی ہونا ہے۔ آب رسانی کے لیے حکومتی تالاب سے پانی بقیمت مقررہ حاصل کیا جاتا ہے لیکن پایپ لائین فلٹر بیڈ اور ذخائر آب بلدیہ کے ہیں۔ فایر برگیڈ پر کوتوالی کی نگرانی رکھی گئی ہے گویا کہ اشتراک عمل ہے۔ مانع گرد سڑکوں کی تعمیر بڑی حد تک تکمیل پا چکی ہے۔ ابتدائی تعلیم جبری ہے، غریب اطفال کو دوپہر کا کھانا مفت ملتا ہے۔ ایک ہائی اسکول بھی ہے۔ مراکز اطفال بلدیہ کے اپنے اہتمام میں قایم ہیں اور محلے محلے میں دواخانے ہیں۔ زچگی خانوں کو امداد دی جاتی ہے۔ روشنی سارے شہر میں قوت برقی سے ہوتی ہے جس کے لیے بلدیہ اپنے ذاتی ستون اور تار نیز ذیلی مراکز قایم کر رہی ہے تاکہ مجتمعاً قوت برقی یا تو مقامی ٹراموے کمپنی سے بہ دستور حاصل کی جائے یا حکومت مدراس سے ان کی تیار کردہ قوت لی جائے۔ حال حال تک بلدیہ کی اپنی نشرگاہ بھی تھی۔

ان دو بڑے بلدیات کو چھوڑ کر بلاری اور مدورا کی بلدیات کی بابت بھی کچھ تفصیل بے محل نہ ہوگی۔

بلاری میں آب رسانی بلدیہ سے ہی متعلق ہے۔ ڈرینج کی تعمیر سرکاری محکمے سے ہو رہی تھی اور بعد تعمیر وہ کام زیر نگرانی بلدیہ آرہا تھا، ان کے مدرسے بھی تھے اور نیز ان کا اپنا قوت خانہ تھا جہاں سے شہر بھر میں قوت فروخت کی جاتی اور سڑکوں پر روشنی ہوتی ہے۔ یہی حال مدورا کا بھی ہے! البتہ وہاں زچگی خانے بھی بلدیہ نے قایم کر رکھے ہیں اور بلدیات کی حد تک یہ اصول قایم ہے کہ کارہائے تعمیری جنھیں کارہائے سرمایہ کے طور پر انجام دلانا ہے حکومتی محکمے کے ذریعے تعمیر پائیں، البتہ بعد تعمیر ان کو منتقل کر دیا جاتا ہے اور نصف رقم امداد نصف رقم قرضے کی شکل میں ایصال ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ وسعت عمل کے لحاظ سے بلدیۂ حیدرآباد، مدراس و بمبئی تو کجا، ان صوبوں کی مضافاتی بلدیات کا مقابلہ نہیں کر سکتی اگرچہ کہ یہ تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ گو وسعت عمل کے لحاظ سے بلدیۂ حیدرآباد، ٹری وندرم، ارناکولم، اور میسور کی بلدیات کے مساوی ہے لیکن بہ لحاظ اقتدار محصلہ

بلدیۂ حیدرآباد ان تینوں مقامات سے فایق ہے مثلاً میسور میں ہلت افسر و انجینیر کا تقرر ابتدائی بجانب حکومت ہوتا ہے، اسی طرح ٹری ونڈرم میں یہ دیکھا گیا کہ وہاں کا میونسپل کمشنر حکومت ٹراونکور کا ایک تحصیلدار ہے اور بہ لحاظ اپنے اختیارات و فرایض کے وہاں کی مجلس ہمارے ہاں کی سابقہ مجلس صفائی کے مماثل ہے یہی حال ارناکیولم کا ہے اور وہاں مثل سابقہ مجلس صفائی حکومت سے منظوریاں حاصل کی جاتی ہیں اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہ وجہ نفاذ قانون بلدیہ سرکار عالی نے دیگر ریاستہائے ہند میں ایک ترجیحی جہت حاصل کرلی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیوں نہ یہ امور جو بہ لحاظ قانون بلدیہ، بلدیہ سے متعلق رہنے ضروری ہیں اور جو دیگر مقامات میں بھی بلدیات سے ہی متعلق ہیں بلدیہ کے تفویض ہوں؟

واقعہ یہ ہے کہ نفاذ قانون بلدیہ کے ساتھ ہی سرکار عالی نے گویا اس اصول کو تسلیم کرلیا کہ بلدۂ حیدرآباد کا داخلی نظم و نسق جس سے ساکنین بلدہ متاثر ہوتے ہیں بہ ذریعۂ مجلس بلدیہ مراحل تکمیل ختم کرے جہاں تک کہ کارکردگی کا تعلق ہے اس سے مطلق انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر وہ مختلف ادارے جن کا مقصد مشترک ہے ایک ہی نظام کے تحت مربوط ہوکر کام کریں تو زیادہ سے زیادہ فواید حاصل ہوں گے اور جو ہم آہنگی اس طرح ظہور پذیر ہوگی وہ بہت ہی اثر آفریں ہوگی۔

اس سے قطع نظر یہ بھی یقینی ہے کہ اس سے اخراجات میں بھی کفایت ہوگی۔ گذشتہ ڈسمبر میں معاشیین ہند کی جو کانفرنس حیدرآباد میں منعقد ہوئی تھی اس میں صوبہ واری مالیات کی ترقی اور استحکام کے عنوان پر بھی اظہار خیال کیا گیا تھا، اور انجام کار اس سے اتفاق کیا گیا کہ سردست اضافہ آمدنی کے وسایل تلاش کرنے کی جگہ طریقۂ خرچ اور نظم و نسق کی مشنری کی تفصیل سے دیکھ بھال اور تنقیح کی ضرورت ہے تاکہ سر رشتہ جات میں توارد کی کیفیت (overlapping) پیدا نہ ہوجائے۔

صلاحیت کا سوال بجائے خود وہ مہتم بالشان سوال ہے جس کے تحت یہ موضوع نظرانداز ہوتا رہا ہے۔ مجالسِ بلدی کی حد تک اس کو برطانوی ہند میں بہت زیادہ اہمیت اور وزن دیا گیا ہے لیکن وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ صلاحیت بہت اچھی طرح سے مہیا ہو جاتی ہے بہ شرطیکہ طریقۂ کار حسین اور مفید رہے۔

اکثر مواقع ایسے رہے ہیں کہ صلاحیت کا تعلق قانونِ بلدیہ اور مجلسِ بلدیہ کی ترکیب سے وابستہ ہوجاتا ہے، مثلاً احاطۂ مدراس میں ایک عرصہ تک مضافاتی بلدیات میں منتخب شدہ میر مجلس بلدیہ بھی عاملانہ فرایض انجام دیتا تھا جس کی بنا پر یہ محسوس کیا جانے لگا کہ ایک اعزازی میر مجلس جو اپنا پورا وقت بلدیہ کے لیے صرف نہیں کرتا ان فرایض سے

کما حقہ عہدہ برا نہیں ہوسکتا۔ اس کے نتایج یہ ہوئے کہ دفتر بلدیہ کے کم استعداد اور قلیل المواجب منظمین کے ہاتھ میں انتظامات آگئے جنھوں نے اقسام کی ابتریاں پیدا کیں۔ بالآخر حکومت نے ہر بلدیہ کے لیے کمشنر کا تقرر لازم کردیا۔ قانون میں اصلاح کی گئی اور اب وہاں ہمہ وقتی واقف کار افراد عاملانہ فرایض کی انجام دہی کے لیے کمشنر مقرر ہوتے ہیں۔

اسی طرح بلدی ملازمین کی حد تک قواعد تقرر و ملازمت کے فقدان سے عام شکایات پیدا ہوتی رہی ہیں تو حکومت ہائے مدراس و بمبئی نے اس کے لیے ضوابط و قواعد منظور کیے، نیز مختلف بلدیات ملازمین کا ایک مربوط کیڈر مرتب کردیا ہے تاکہ عند الضرورت تبادلے کیے جا کر رفع شکایات ہو، نیز ترقی کے مواقع بھی فراہم کیے گئے۔

اس قانون کی خوبی یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں مجلس بلدیہ اور ناظم بلدیہ کے تعلقات اور فرایض کا بہت اچھی طرح سے تعین ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح کہ جیسے ایک کمپنی سرمایہ مشترکہ کا کاروبار انجام پاتا ہے، اسی طرح بلدیۂ بمبئی کا کاروبار بھی طے ہو رہا ہے۔ نظمائے بلدیہ بھی جو عہدہ دار مقرر ہوئے ہیں وہ حکومت بمبئی کے منتخب اور آزمودہ افراد ہوتے ہیں۔

یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ ہمارا قانون بلدیہ بھی اسی قانون کو پیش نظر رکھ کر مرتب ہوا ہے، اور چونکہ حیدرآباد میں سرکار و غیر سرکار کا فرق اس قدر شدید اور بعید نہیں ہے کہ جیسے بیرون حیدرآباد، لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترکیب مجلس بلدیہ کی حد تک جو بھی اختلاف کیا گیا ہے اس سے ہمارا قانون اور بھی مفید مرام ہوگیا ہے۔

ہماری مجلس بلدیہ کی موجودہ ترکیب یہ ہے کہ ایک عہدہ دار سرکاری اس کے میر مجلس ہیں اور اس حد تک یہ عرض کرنا ہے کہ اس امر کو ہندوستانی ادارہ ہائے حکومت مقامی میں عام طور پر قبول کیا گیا ہے کہ ایک سرکاری عہدہ دار کے میر مجلس ہونے سے جو وزن اس مجلس کی آواز کو سارے ملک میں حاصل ہوجاتا ہے وہ غیر سرکاری میر مجلس کے ہونے پر کم ہو رہا۔ محض اس لیے کہ برطانوی ہند میں سرکاری عہدہ داروں کو غیر سرکاری حلقوں میں اجنبی تصور کیا جاتا رہا تھا اور نیز سوال حصول آزادی کا تھا لہٰذا سرکاری میر مجلس کے لیے اصرار بلکہ تقاضا کیا گیا۔ اگرچہ یہ اب بھی مسلم ہے کہ مجالس بلدی کی حد تک ایک سرکاری عہدہ دار بھی بہ حیثیت اہل شہر میں سے ہونے کے اور نیز بہ لحاظ اپنے مرتبے کے بہت زیادہ کار آمد میر مجلس ہوتا ہے اور اس طرح سے مباحث مجلس میں بھی ایک وزن قایم رہتا ہے۔

اس طرح ہماری مجلس بلدیہ میں تیرہ[۱۳] نمایندگان منتخب کے ساتھ تیرہ[۱۳] نمایندگان سرکار نامزد ہوتے ہیں۔

سابقہ مجلس صفائی میں کوتوال صاحب بلدہ۔ ناظم فوجداری۔ ناظم تعمیرات سمت حیدرآباد۔ ناظم طبابت۔ ناظم امور مذہبی بہ لحاظ عہدہ رکن رہتے تھے اگر اسی اصول پر اب بھی ان تیرہ نمایندگان سرکار کا تعلق ان محکموں سے

رہے کہ جن کے ذمّے بعض اُمور کو بلدیہ کے تحت منتقل کرنا پیش نظر ہے یا جن سے متعلق بلدہ کے متعلقہ اُمور ہیں۔ مثلاً محکمۂ تعمیرات محکمۂ طبابت۔ محکمۂ کوتوالی بلدہ محکمۂ عدالت محکمۂ اُمور مذہبی محکمۂ تعلیمات۔ محکمۂ مالگزاری محکمۂ آبکاری محکمۂ کروڑگیری۔ محکمۂ ریلوے محکمۂ برقی اور نیز محکمۂ صدر محاسب و فینانس، تو پھر عملاً کوئی شبہ مجلس بلدیہ کی صلاحیت سے متعلق سرکار کو نہیں رہنا چاہیئے۔

مزید طمانیت کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ بلدیۂ بمبئی کے مماثل صیغہ ہائے تعمیرات۔ ہلت وغیرہ کی اسپیشل کمیٹیاں بنائی جائیں اور ہر امر جو اس صیغہ سے متعلق ہو، اس صیغہ کی اسپیشل کمیٹی کی رائے کے لیے والا پیش ہو، اور اس اسپیشل کمیٹی کا صدر بہ روئے قواعد یا قانون نمائندہ محکمہ کو ہی مقرر کیا جائے۔ معیار رائے دہی میں امتحان میٹرک یا اس کے مماثل امتحان کی کامیابی کا لزوم بھی مناسب ہوگا۔

عہدہ داران کی حد تک گو قانون میں ان کی قابلیت کی صراحت موجود ہے اور ان کا تقرر[۲] و کی حد تک محتاج منظوری سرکار ہے، لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ بھی طے کر دیا جائے کہ یہ دونوں عہدہ داران سرکار عالی سے مستعار حاصل کیے جائیں گے گو حق انتخاب بلدیہ کو رہے گا، اور رعہدہ داران کی حد تک بھی ایسا کیا جا سکتا ہے، یہ اس لیے کہ برطانوی ہند میں عہدہ داران کی کارکردگی کو کافی اہمیت دی جاتی ہے اور غالباً یہاں بھی مختلف محکمہ ہائے سرکار کے ارباب اقتدار یہ طمانیت طلب کریں گے اور اس کی حد تک انھیں یہ معلوم رہنا کہ عہدہ داران ہی کے مستعار دادہ ہوں گے نامناسب نہ ہوگا۔

آخری سوال اس ضمن میں مالیات کا ہے۔ برطانوی ہند میں مجالس بلدی کو شکایت رہی ہے کہ ذمہ داریاں انھیں تفویض ہوئیں، لیکن مالیہ کی حد تک انھیں بے بس رکھا گیا بہت ہی محدود ذرائع آمدنی انھیں دیے گئے۔

بلدیۂ بمبئی کو یہ ایک افتخار حاصل ہے کہ اپنی ساری مصروفیات کی تکمیل وہ اپنی ہی آمدنی سے کرتی ہے، یہ واقعہ اس ضمن میں قابلِ دلچسپی ہے کہ ایک مرتبہ بلدیۂ بمبئی میں یہ تحریک منظور ہوئی تھی کہ جزیرۂ بمبئی کی حد تک ایک علحدہ صوبہ بنا لیا جائے تو اہالیانِ شہر بمبئی اپنے جملہ لوازم حکومت کی خود تکمیل کر لیں گے۔

اس طرح بلدہ حیدرآباد کی حد تک یہ امر عدیم المثال ہے کہ یہاں کی تقریباً ساری شہری آسائشیں سرکار عالی نے بلا مجلس بلدیہ کو زیر بار کیے فراہم کی ہیں جس کی وجہ اہالیانِ حیدرآباد کو دوہرے اخراجات کا بار برداشت کرنا نہ پڑا۔

اس سلسلے میں یہ بہرحال وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ محکمۂ کروڑگیری محکمۂ آبکاری محکمۂ ریلوے۔ محکمۂ برقی،

نیز محکمہ ہائے ٹپہ۔ رجسٹریشن و عدالت سے سرکار عالی کو جو آمدنی اہالیان بلدہ حیدرآباد سے ہوتی ہے اس کی مقدار بہت کافی ہے اور اگر اس رقم کا کچھ حصہ بلدی انتظامات کے لیے مختص کر دیا جاتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ جہاں رقم وصول ہو رہی ہے وہاں ہی صرف ہو رہی ہے۔ ممکن ہے کہ سرکار عالی نے اب تک جو اخراجات برداشت کیے ہیں وہ اس آمدنی سے کہیں زیادہ ہیں لیکن بہ لحاظ اس کے کہ بلدہ حیدرآباد اس ریاست کا پایہ تخت ہے، یہ صرفہ عین مناسب اور موزوں تھا۔

غرض کہ سرکار عالی خود اس وقت ان مختلف محکموں پر جو صرفہ برداشت کر رہی ہے کہ جو بلدہ کی حد تک آسایش انتظامات میں لگے ہوئے ہیں، اگر وہی رقم آیندہ بھی بہ طور گرانٹ دی جائے تو بہت زیادہ ہم آہنگی کے ساتھ مفید تر انتظامات ہو کر اچھے نتایج برآمد ہوں گے۔

بہ تدریج بلدی محاصل بھی بڑھائے جاسکتے ہیں، بالخصوص بالواسطہ محاصل جیسے چنگی۔ ٹرمینل ٹیکس یٹول ٹیکس۔ رجسٹری معاہدات کے ضمن میں فیس رجسٹری میں کچھ اضافہ کہ جو بلدیہ کو ایصال ہوگا۔

البتہ اس ضمن میں تنقیح حسابات کے لیے محکمہ سرکار کی مزید طمانیت کے لیے اگزامنر صاحب حسابات لوکل فنڈ کا تعلق قایم رکھا جاسکتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ قانون بلدیہ کے نفاذ کے بعد ہی یہ سوال محکمہ فینانس میں پیش ہوا تھا کہ جب سرکار عالی ایک کافی رقم بہ طور امداد بلدیہ کو دے رہی ہے تو کیوں نہ محکمہ صدر محاسبی و فینانس کا تعلق نگرانی قایم نہ رہے۔

جہاں تک محکمہ آرایش کا تعلق ہے چونکہ مجلس آرایش بلدہ کی تشکیل بالکل خاص ہے اس لیے اور یہ اس بنا پر بھی کہ آرایش بلدہ کے کام کی نوعیت کے مدنظر بمبئی۔ کلکتہ۔ ناگپور۔ لاہور میں علحدہ مجالس نے کام کیا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے لیے ایک مختصر ادارہ زیادہ موزوں ہے، اس لیے محکمہ آرایش بلدہ نیز مجلس آرایش بلدہ علحدہ رہ سکتا ہے لیکن ناظم صاحب بلدیہ کو بہ حیثیت عہدہ مجلس آرایش بلدہ کا معتمد قرار دیا جاسکتا ہے تاکہ زیادہ تر اتحاد عمل ہو رہے۔

اسی طرح محکمہ برقی بہ جائے خود علحدہ قایم رہ سکتا ہے کہ جیسے مدراس و بمبئی کا حال ہے مگو یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر سرکار عالی اس ادارے کو محکمہ بلدیہ پر منتقل کر دے تو ایک ذریعہ آمدنی بھی محکمہ بلدیہ کو مل رہے گا۔

بالاجمال یہ ہر طرح ممکن ہے کہ کارکردگی کو بڑھانے اور اس طرح اخراجات میں بھی کفایت اور ان سے زیادہ سے زیادہ افادہ ممکن کرنے کے لیے سرکار عالی محکمہ بلدیہ پر بہت سارے امور کو منتقل کر دے جو چیدہ چیدہ محکمے انجام دے رہے ہیں، اور اس کے لیے بہ صراحت صدر تغیرات کیے جائیں تو خوش نظمی کی بھی طمانیت ہو رہے گی۔

سرمد

بزمِ طیلسانین

ڈاکٹر بہادر خاں صاحب کو ۱۳۳۹ف میں جبکہ انھوں نے کلیۂ طبیہ جامعہ عثمانیہ سے یم۔ بی۔ بی۔ یس کے پہلے فنی امتحان میں ممتاز طریقے پر کامیابی حاصل کی تھی' ان کی ذہانت محنت اور فراست کے مدِنظر منجانب سرکار عالی علم طب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بعطائے وظیفہ انگلستان روانہ کیا گیا جہاں انھوں نے آٹھ سال تک حصولِ تعلیم میں مصروف رہ کر یل۔ آر۔ سی۔ پی (لندن)، یم۔ آر۔ سی۔ یس (انگلینڈ)، یم۔ بی۔ سی۔ یچ۔ بی (لیڈس)، یف۔ آر۔ سی۔ یس (لندن)، یم۔ سی۔ یچ (لیڈس) کی اعلیٰ ترین اسناد حاصل کیں' اور بلازمت سرکار عالی میں بکم آذر ۱۳۴۹ف سے بعہدۂ سیول سرجنی مامور ہو کر ملک کے عظیم المرتبت دواخانہ عثمانیہ میں کام شروع کیا۔ ان کی شاندار کامیابی کے ساتھ مراجعت کے موقع پر کاوش صاحب نے یہ نظم "تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے" کے بمصداق کہی ہے۔ (ادارہ)

کامیاب زندگی

دوست! تجھ کو ہو مبارک نغمۂ روحِ نشاط
یہ ہجومِ فصلِ گل، یہ سرخوشی، یہ انبساط

ہو مبارک تجھ کو بوڑھے باپ کا دیدار بھی
اور اپنے دوستوں کا جلوۂ پندار بھی

ہو مبارک جلوۂ رنگِ حیاتِ کامیاب
تیری شہرت کا ہے رخشاں ہمیشہ آفتاب

ہو مبارک تجھ کو یہ سرشارئ جامِ سرور
ساقئ دوراں فزوں کر دے ترا حسنِ شعور

کاوش

جمہوری شہریت کی تعلیم

جے ایچ نکلسن پرنسپل۔ یونیورسٹی کالج ہل (انگلستان)

فاسطی حکومتیں، اور سویٹ روس، بالارادہ اپنے بچوں کو فاسطیت اور اشتمالیت Communism کی تعلیم دیتے ہیں جمہوریت پسند اسے رجحان [illegible] کہتے ہیں، اور یہ دعوے کرتے ہیں کہ اُن کے اپنے مدارس غیر رجحاناتی ہیں۔ کیا یہ حقیقت ہے؟ — اور اگر ایسا ہے تو کیا یہ دانش مندی ہے؟

رجحان سے بچنے کا آسان ترین طریقہ واقعات کی تعلیم ہے، آراء کی نہیں۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ سائینس کی حد تک یقیناً۔ ہاں! — کوئی حکیم (سائینس داں) واقعات کو توڑ مروڑ کر اپنے خیال کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتا لیکن فنون کی حد تک اس کا جواب نفی میں ہوگا! ادب جس طرح کہ آج کل اس کی تعلیم دی جاتی ہے، سائینس بھی ہے اور ایک فن بھی کیوں کہ وہ واقعات سے بحث کرتا ہے (جن کی تصدیق ضروری ہے) اور قدر و قیمت Values سے بھی (جو درحقیقت انفرادی رائے پر مبنی ہیں اور جن کی صحیح جانچ ناممکن ہے) — اور یہی آراء کی تعلیم ہے۔ ثقافتی علوم Humanities کا معلّم قدر و قیمت کے مسائل سے گریز نہیں کرسکتا۔ پھر رجحان سے گریز کیسا؟ — امر واقعہ یہ ہے کہ ہم سیاسیات سے جس قدر قریب تر ہو جاتے ہیں یہ مسئلہ اسی قدر مشکل ہوتا جاتا ہے اسی لیے تو انگلستانی مدارس سے سیاسی پروپگنڈا کو جائز طور پر خارج رکھا گیا ہے لیکن کیا ہمیں ہر قسم کی سیاسی تعلیم کو بھی خارج رکھنا چاہیئے؟ — اگر ایسا ہے تو پھر شہریت کی تعلیم کا کیا حشر؟

چونکہ مدارس میں ہم قدر و قیمت کے مسائل سے گریز نہیں کرسکتے، اس لیے ہمیں رجحان کے مسئلے سے رو در رو ہونا چاہیئے۔ ہم بچوں کو خصوصیت کے ساتھ دیانت داری، سچائی، صفائی، پابندیٔ وقت اور شاید جراءت اور ایثار کی جانب بھی مائل کرتے ہیں لیکن اس پر کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا کیوں کہ عام طور پر یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ یہ

پسندیدہ خوبیاں ہیں ہم انہیں وفاداری کی بھی تعلیم دیتے ہیں، حالانکہ درحقیقت انہیں آگے چل کر یہ پتا چلتا ہے کہ وفاداریوں کے درمیان اکثر تصادم ہوجاتا ہے گویا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم صرف انھی معاملات میں رجحان کو تسلیم کرتے ہیں جن کے متعلق خیالات (آراء) میں نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بالخصوص مذہب، سیاسیات، تاریخ اور معاشیات میں، مثلاً ہم ادب یا موسیقی یا فنون کے ایک استاد کو صحیح الدماغ (Sound) کہہ سکیں گے اگر اس کا مذاق مسلمہ معیاروں کے مطابق ہو یا اگر مطابق نہ ہو تو سرپھرا (Crank) لیکن اسے عام طور پر "رجحان زدہ" یا متعصب (Biased) نہیں کہتے، یا اسی طرح اس کے بالکل برعکس اصول و فرائضِ زندگی (اخلاق) کی حد تک ایک بدعتی (Innovation) کو صرف نامہذب یا بداخلاق کہا جائے گا، اور بس۔

آمرین کی اُن کوششوں کا مضحکہ اڑایا گیا ہے جو وہ نہ صرف سیاسی و مذہبی خیالات اور معاشی زندگی پر قابو حاصل کرنے کے لیے بلا۔ ادب و فنون اور موسیقی پر بھی اپنا قبضہ جمانے کے لیے کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل صحیح استدلال پر مبنی ہے، کیوں کہ بات یہ ہے کہ سیاسی اداروں کو ان سماجی بنیادوں سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جن پر ان کی تعمیر ہوتی ہے۔ ادب اور فنون نے نشاۃ ثانیہ کے زمانے میں کلیسا کی گرفت سے آزادی حاصل کی۔ ضمیر کی آزادی فکر (خیالات) کی آزادی کا پیش خیمہ بنی، سیاسی آزادی سب سے آخر میں حاصل ہوئی لیکن ہمارے نزدیک آزادی کا مفہوم بہت تنگ ہے کیوں کہ ہم نے ابتدائی جدّوجہد کو بھلا دیا ہے۔ آزادی، امن کی طرح، ناقابلِ تقسیم ہے، یعنے کوئی شخص اس وقت تک حقیقی معنی میں آزادانہ غور و فکر نہیں کر سکتا جب تک اس کے احساسات یا جذبات اُن قدر و قیمت کے تابع ہوں جنھیں اس نے دوسروں سے حاصل کیا ہے۔ اِلّا اس صورت کے جب کہ غور و فکر کسی تنگ مخصوص مہارتی میدان میں ہو۔ اسی طرح کوئی جماعت زیادہ عرصے تک سیاسی حیثیت سے آزاد نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ اس کے اراکین بھی نئی سماجی قدر و قیمت کی تخلیق کرنے کے لیے آزاد نہ ہوں ـــــ اور آزاد نہ ہوں فنون، ادب اور کردار میں اُن کا اظہار کرنے کے لیے۔

ضبط، انضباط (Discipline) اور آزادی کے درمیان بظاہر جو تضاد اور تصادم پایا جاتا ہے اسی کو اکثر نمایاں کیا جاتا ہے گویا یہ دونوں کبھی یکجا پائے ہی نہیں جا سکتے۔ مدرسہ ہو یا سماج۔ وجہ یہ ہے کہ تعلیم عام (liberal education) کے سلسلے میں چند ابتدائی تجربات حقیقت میں صحیح راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ چونکہ کم عمر بچے کے لیے بیرونی اعانت کے بارہ میں جو اندازہ قایم کیا گیا تھا وہ ضرورت سے بھی کم تھا ـــ اسی اعانت کے بارہ میں جو حقیقی دُنیا کے متعلق اس کی اپنی ذاتی عجیب عجیب تاویلات کے

علامت ہو۔ حالانکہ صحیح مشاہدہ اور منطقی استدلال کے لیے بچّے کی تربیت کرنا اس کی آزادی کو محدود کرنا نہیں ہے، بلکہ اس میں وسعت دینا ہے بہ شرطیکہ اس کے تفکّر کو مقید کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ تعلیم کا دوسرا بڑا مقصد الہامی حقِ قدروقیمت [illegible] کے لیے وہی کرنا ہے جو کچھ ہم نے ذہن کے متعلق کرنا سیکھا ہے۔ لیکن آج کل ہم میں سے اکثر یا تو اپنے خود کے اخلاقی اور جمالیاتی معیاروں کو جبراً بچّے سے اختیار کرواتے ہیں یا اُسے اخلاقی اور جمالیاتی معاملات میں بغیر کسی حقیقی رہنمائی کے چھوڑ دیتے ہیں اس خوف سے کہ مبادا ہم اس کی فطری حسِ قدروقیمت کو برباد نہ کردیں، یا پھر ہم اُن میں ایک میل پیدا کرتے ہیں۔ انضباط کی قسم سے زیادہ اس کی نفی کا لحاظ رکھتے ہوئے اب غوروفکر کرنا کچھ تو طریقۂ آزمائش وغلطی [illegible] کے ذریعے سیکھتے ہیں (کیا یہ نتیجہ خیز ہے؟) ؛ کچھ دوسروں کو غوروفکر کرتے ہوئے دیکھ کر یا پھر ہمارے سامنے پیش کردہ مختلف توضیحات میں سے کسی کا مجبوراً انتخاب کرنے کی وجہ سے۔ ہمیں تقریباً اسی طرح قدروقیمت کا تعین کرنا سیکھنا چاہیئے۔ اولاً آزمائشی تعین قدروقیمت کے ذریعے جو ممکن ہے امتحان میں پورا نہ اُترے، یا ثانیاً یہ دیکھ کر کہ دوسرے اشخاص اشیا، کی اور ہمارے اپنے افعال کی قدروقیمت کا کیا تعین کرتے ہیں۔ یا ثالثاً متضاد قدروں [illegible] کے درمیان انتخاب کے ذریعے، سچ تو یہ ہے کہ ہم ہمیشہ اسی طرح کیا کرتے ہیں، لیکن جبکہ ایک طرف تمام بہترین اساتذہ میدانِ فکر میں تجربہ کرنے اور تصدیق کرنے کے لیے بچّے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تو دوسری طرف قدروقیمت کے مسئلے میں طریقۂ دوم پر (تعلیم بہ ذریعۂ نقل یا تقلید پر) بے انتہا زور دیا جاتا ہے اور قدروقیمت کے راست تعین کی کوشش پر بہت ہی کم۔۔ شاید یہ اس لیے ہوگا کہ ممکن ہے، یہاں آزمائشات مضر ثابت ہوں، یعنے ایسی ہدایتوں [illegible] کی جانب رہنمائی کریں جو سماجی نقطۂ نظر سے ناقابلِ قبول ہوں۔ درحقیقت ایک ایسا مقام بھی ہے جہاں پر ہمیں مداخلت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اور یہ تنبیہ کرنی پڑتی ہے کہ: "اگر تم ایسا کروگے تو تمھیں معلوم ہوگا ۔ ۔ ۔" یا پھر "ایسا مت کرو ۔ ۔ ۔" (کیوں کہ ایک غلط وجہ بتانے سے کچھ نہ بتانا بہت بہتر ہے) جہاں کہیں بھی اس کا امکان ہو عقل سے اپیل کرنا ہمیشہ بالکل درست فعل ہے۔ اس طرح بچّے کی اپنی تعین کردہ قدروقیمت سے مختلف ایک اور قدروقیمت اس کے سامنے رکھنے کی کوشش بھی درست ہے بہ شرطیکہ آپ اس قدر کو اپنے ذاتی استناد کی بنا، پر قبول کرنے کے لیے اس کو مجبور نہ کریں۔ فطری طور پر بچّے کی نظر میں بالغ آدمی کا وقار ہوتا ہے، اور اس وقار سے وہ (بالغ) ہرگز دست بردار نہیں ہوسکتا، ورنہ بچے کے دل میں اس کا اعتماد باقی نہیں رہے گا؛ یہ ایک مفید تعلیمی ذریعہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا غلط استعمال کیا جائے۔

بہ لحاظ کردار کسی شخص کی شخصیت کے مقابلے میں اس کی "آرا" کی اہمیت بہت کم ہوتی ہے۔ اکثر تیقنات جو بہت زیادہ پختہ ہوتے ہیں۔ ان کی بنیادیں جذباتی ہوتی ہیں ۔۔۔۔ وہ صرف عقل ہی کو مطمئن نہیں کرتے (ممکن ہے کہ بڑی حد تک وہ غیر عقلی بھی ہوں) بلکہ وہ کسی ایسی ضرورت کے جواب میں ہوتے ہیں جو شعوری تفکر کی پہنچ سے بھی باہر ہو۔ اُن (تیقنات) کو قایم کرنے یا اُن میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے ایک جذباتی ترتیب adjustments کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بحث و مباحثے کے ذریعے قدیم اعتقادات کا چھڑانا، یا نئے اعتقادات کا قبول کرانا بہت مشکل کام ہے، چونکہ اس صورت میں ہر شخص کو اپنے سابقہ تجربے کی قدر و قیمت کا نئے سرے سے تعین کرنا پڑتا ہے۔ کوڑ دماغ شخص وہ ہے جس میں قدر و قیمت پہچاننے کی قوت مردہ ہو چکی ہے، یا اب تک جگائی ہی نہیں گئی۔ اس کی تعلیم ضرور کہیں کچھ غلط ہوئی ہے ۔۔۔ شاید گھر پر، مدرسے میں شریک ہونے سے بہت قبل ۔۔ اور وہ اب تک بھی اپنی شخصیت کو بزور توڑنے کی کسی ابتدائی کوشش کے خلاف جہاد کر رہا ہے ۔۔۔ یعنے اس کی مرضی کے خلاف جبراً قدر و قیمت تسلیم کرانے کی کوشش کے خلاف۔ یہ بالعموم ایک خراب رفیق نافرماں بردار ماتحت، یا خود رائے افسر ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ جمہوری جماعت کا ایک بہت کمزور رکن ہوتا ہے۔ چند لوگ تیقنات قایم کرنے کے ناقابل معلوم ہوتے ہیں، شاید اس لیے کہ انھیں کبھی اس کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ یہاں تک کہ وقت گذر گیا۔ وہ عام طور پر اپنی صاف گوئی پر فخر کرتے ہیں۔ ان کا ذہن آزادی کے ساتھ حرکت کرتا ہے لیکن ان کے جذبات اُن کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ وہ اکثر محدود و مخصوص تعصبات سے بھرے رہتے ہیں۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے جو کچھ رائے قایم کرلی ہے وہی درست ہے۔ ایسے لوگ بھی نہایت ادنیٰ قسم کے جمہوری ہوتے ہیں۔

جمہوریت کی تعلیم کا اہم ترین مقصد، یا "فرض" ایسی شخصیت کی تعمیر ہے جس کے بغیر جمہوریت چل ہی نہ سکتی ہو ۔ یعنے حریت پسند، روادار، اعانت کن شخصیت۔ چند طبائع بہ نسبت دوسروں کے بہت آسانی کے ساتھ جمہوری خوبیوں کے آئینہ دار ہو جاتے ہیں۔ جمہوریت پر لازم ہے کہ وہ انسانی طبائع کی گوناگونیت کو تسلیم کرے اور اس کی قدر کرے، اور مختلف استعدادوں کے لیے میدان مہیا کرے۔ ہر اچھا استاد اپنا فرض سمجھتا ہے کہ طالب علموں کو اپنے نفس کی معرفت حاصل کرنے، نیز ایک جماعت کے رکن کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا سیکھنے میں مدد دے ۔۔۔ اور انھیں ایسے اشخاص میں رہنے اور کام کرنے کے لیے تیار کرے جنھیں ضروری نہیں کہ وہ پسند بھی کرتے ہوں اور اگر سچ پوچھا جائے تو اپنے ضمیر کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اُن میں سے "تمام" کو وہ پسند کر بھی نہیں سکتے اور نہ ہی سب کو مساوی طور پر پسند کر سکتے ہیں۔ اب اگر ہم کوئی بات پسند نہیں کرتے تو اس کے تو وجوہ ہوتے ہیں لیکن جب ہم نفرت کرتے ہیں تو یہ اکثر

غیر عقلی ہوتا ہے، بجز اس کے کہ ہم ذاتی نقصان کو مفادِ عامہ پر ترجیح دیں۔ "سماج کے دشمن" اکثر اسی طرح پیدا ہوئے ہیں۔ خراب گھروں اور خراب مدرسوں کی وجہ سے یعنی ایسے گھروں اور مدرسوں کی وجہ سے جنھوں نے ان کی غلط طریقے پر تربیت کی ہے بعض لوگ اپنی شخصی شکایتوں کو رنگ دے کر ان کو سماجی اصلاح کا بہانہ قرار دے لیتے ہیں۔ سماج ان میں سے بہترین افراد کی بہت کچھ ممنون احسان ہے لیکن سماجی مصلحین پیدا کرنے کا یہ ایک خطرناک طریقہ ہے اور شاذ ہی کامیاب ہوتا ہے۔

بلاشبہ جمہوریوں کو اس سماج کے متعلق معلومات حاصل رہنے چاہئیں جس کے آیندہ چل کر وہ شہری بننے والے ہیں اور اگر ممکن ہو تو انھیں اس کی حبّ آزادی کا حصہ دار ہونا چاہیئے اور اس کے لیے ذمہ داری محسوس کرنی چاہیئے لیکن وہ آزادی سے بہ خوبی محبت نہیں کر سکتے تاوقتیکہ اسے نہ سمجھیں اور اس کے صحیح معنے کے متعلق انھیں کوئی حقیقی تجربہ نہ ہو۔ ایسے کئی طریقے ہیں جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کم و بیش کامیابی کے ساتھ مدرسوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر مفید ثابت ہوتے ہیں بہ شرطیکہ صدر مدرسہ اور اساتذہ فی الحقیقت حرّیت پر یقین رکھتے ہوں اور خود بھی مستعد شہری ہوں لیکن حکومت خود اختیاری کا منصوبہ یا شہریت سے متعلق نصاب بہت کم مفید ہوتے ہیں، اگر انھیں ایسی درسگاہی زندگی کے ساتھ منسلک کر دیا جائے جو عملاً غیر آزاد ہو۔ یعنے جس میں حرّیت فکر و کردار کی حوصلہ افزائی نہ کی جاتی ہو یا جہاں "ایک نمونہ" پر سب کو ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہو۔ بہترین منصوبے۔ مدرسے کے کام اور مشاغل ہی سے فطری طور پر نشو و نما پاتے ہیں، اور انھیں اختیار کر لیا جاتا ہے چونکہ ذمہ دار ہستیوں کا تجربہ ہے کہ ان کے تعلیمی مقاصد کے حاصل کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہیں۔ بعد میں تجربے میں وسعت کے ساتھ ساتھ اُن میں ترمیمات کر لی جاتی ہیں۔

لڑکے اور لڑکیاں اور بالخصوص بالغ اپنے سے زیادہ عمر والے ایسے لوگوں کی دلچسپیوں میں بڑے شوق سے حصہ لیتے ہیں جن کی وہ قدر کرتے ہوں۔ اس میں خطرہ یہ ہے کہ وہ اکثر نہ صرف ان کا شوق بلکہ ان کی رائے اور ان کے ذوق کو بھی قبول کر لیتے ہیں۔ بہترین اساتذہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے لیکن اس سے کلیتاً بچنا بھی آسان کام نہیں ہے۔ ایک خفیف درجے کا "سہارا" آسانی کے ساتھ حد سے بڑھ جاتا ہے لیکن کئی اشخاص اپنی ... کے ... تیقنات کے حامل ہوتے ہیں جو انھوں نے اپنے والدین، اساتذہ یا اپنے سے زیادہ عمر والے دوستوں سے بلا تامل و غور حاصل کر لیا ہے۔ مدرسے میں بچوں کے یہ ذہن نشین کرا دینا چاہیئے کہ اچھے آدمی اکثر اپنے نظریوں میں بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں، کیوں کہ جدید دنیا ان لوگوں کے لیے بہت پریشان کن ہے جو پہلے سے منضبط تیقنات اور وفاداریوں کے لیے تیار نہیں کیے گئے ہیں۔

انسان کی سماجی جبلّتیں خود پسندانہ جبلّتوں کی بہ نسبت زیادہ مضبوطی کے ساتھ جڑ پکڑی ہوئی ہیں وہ بہ اعتبار زیادہ قدیم ہیں جب
جماعت خطرہ میں ہوتی ہے (مثلاً جنگ کے زمانے میں) تو جماعتی وفاداری بہ آسانی خود مبانی جذبات پر غالب آجاتی ہے۔ مغز سماج اخلاق کے لیے
ضروری ہیں لیکن فرد پر سماجی دباؤ بہت زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ ایک اعتبار سے قوم پرستی فطری جذبہ ہے اس کے سکھانے پڑھانے کی ضرورت نہیں،
صرف اس کی تربیت کی ضرورت ہے جبلّت میں جڑ پکڑے ہوئے تمام قسم کی تحریکات کی طرح اس کی قوت بھی شاید بڑھائی گھٹائی نہیں جا سکتی، لیکن اس کی
رہنمائی کی جا سکتی ہے۔ ہم میں سے اکثر ذیلی جماعتوں کے مطالبات کا فوری جواب دیتے ہیں، مثلاً ہمارا خاندان، ہمارا اپنا یارانہ، شاید ہماری
جماعت یا فرقہ۔ ہم آداب یا لباس کی غیر اہم تفصیلات میں بھی تقلید کرتے ہیں (مثلاً ٹائی کالی ہے یا سفید) اکثر مدرسے اس ایقان پر عمل
کرتے ہیں کہ مدارسی مشاغل کے ذریعے وفاداری اور جماعتی اسپرٹ (Team spirit) کی تربیت کی جا سکتی ہے اور پھر
انہیں حسب مرضی اُن گروہوں میں منتقل کیا جا سکتا ہے جن سے کہ بالغ متعلق ہیں۔ مجھے اس میں شبہ ہے۔ اگر بچوں کو اچھے شہری بننا ہے تو انہیں اس
جماعت کے متعلق کچھ معلومات حاصل کرنا چاہیئے جو ان کی وفاداری اور ان کی محبت کی خواستگار ہے۔ انھیں یہ بھی
جان لینا چاہیئے کہ جماعت اُن سے نہ صرف وفاداری چاہتی ہے بلکہ "تعمیری تنقید" بھی! اور یہ کہ ذیلی جماعتوں کے
مطالبات کی مخالفت کی جانی چاہیئے جبکہ وہ وسیع تر وفاداریوں سے آکر ٹکرائیں۔

شہریت کی تعلیم کا جذبات کے ساتھ ساتھ ذہن و عقل سے بھی تعلق ہونا چاہیئے۔ ہم جذبات کی تربیت ضرور کرتے ہیں، لیکن
بسا اوقات جو تربیت ہم دیتے ہیں اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ جذبات کو اُن مقاصد (Ideals) اور اداروں کا ہمنوا بنایا جائے
جن کو ہم خود قابلِ قدر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ جائز یہ ہوگا کہ ہم اپنے تجربات کو طلباء کے سامنے رکھ دیں اور انہیں یہ صاف صاف بتا دیں کہ ہمارے نزدیک
ان کی کیا قدر و قیمت ہے لیکن ہمیں یہ سیکھنا چاہیئے کہ انہیں بطور خود قدر و قیمت کا تعین کرنے سے روکے بغیر یہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت ہمیں انہیں
یہ تعلیم دینی چاہیئے کہ ایسا کرنا اُن کا اپنا فرض ہے۔ ایک دوسرے معنی میں تعلیم میں رجحان ناگزیر ہے چونکہ مدرسہ ایک سیرت دار سماج (Society) ہے
(جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا) حکومتی منصوبوں کے ذریعے قائدین کے انتخاب اور ان کے اتباع اور اخلاقی مسائل کے حل کرنے کے متعلق مفید تجربہ
حاصل ہو سکتا ہے نیز ہم عصر سماج کا مطالعہ ہمدردی اور شوق کو جگاتے اور عملی شہریت کے لیے تیار کرنے میں مدد ہو سکتا ہے۔ ہمارا حقیقی مقصد اس قسم کی
تعلیم ہونا چاہیئے کہ ہمارے طلباء حریت پسند اور ذمہ دار بالغوں میں نشوونما پائیں۔ یہ عقل اور جذباتی ترقی میں مکمل طور پر بالغ
ہوں اور ایسے مختلف قسم کے فیصلہ جات کرنے کے قابل جن کی جمہوری شہریت میں ضرورت ہوتی ہے اگر مدرسے کی سیرت درست
ہے تو طلباء میں آزادانہ اور تحقیق پسند اسپرٹ پیدا کرنا آسان ہوگا، لیکن جذبات کی اس طرح تربیت کرنا کہ یہ مسلمہ
معیاراتِ قدر و قیمت سے بے نیاز ہو جائیں، کچھ آسان کام نہیں۔ لیکن جب تک ہم یہاں بھی کامیابی حاصل نہ کر لیں "فکر" خود اس
وقت تک حقیقی طور پر آزاد نہیں ہو سکتی۔

مترجمہ محمد علی

روئداد نمائش ملکی مصنوعات سلطنت آصفیہ

اس حقیقت سے خواہ وہ کیسی ہی ناقابل یقین کیوں نہ ہو، اکثر ہمدرد احباب مطلع ہو چکے ہیں کہ معاشی کمیٹی انجمن طیلسانیین عثمانیہ کی گرہ میں صرف ڈھائی روپیہ تھا اور محض نو دن کی مدت باقی تھی جبکہ نمائش ملکی مصنوعات کے انعقاد کا عملی اقدام کیا گیا۔ ذیل میں بالاجمال اس کی روئداد قلمبند کی جا رہی ہے تاکہ اہل ملک کو عام طور پر اس کی اطلاع ہو جائے:۔

کانفرنس طیلسانیین عثمانیہ میں بے روزگار طیلسانیین عثمانیہ کے مسئلے پر غور کے ضمن میں ملک کی عام خوش حالی کے اضافے کو ہی سب سے بہترین ذریعہ فراہمی روزگار تصور کیا گیا، اور اس کے لیے ایک مستقل ادارہ بنام "معاشی کمیٹی" قایم کیا گیا۔ مولوی محمود علی صاحب لکچرار سٹی کالج اس کے صدر اور عبدالرحیم صاحب بی۔ اے معتمد منتخب ہوئے۔ اس معاشی کمیٹی نے جہاں ملک کی معاشی سروے وغیرہ کے متعلق تجاویز مرتب کیں وہاں یہ بھی قرار دیا گیا کہ ملک کی مصنوعات اور صناعوں سے اہل ملک کو روشناس کرنے کے لیے ایک نمائش کا انعقاد ضروری ہے۔ اور اس کے افتتاح کے لیے ہز ہائی نس ہز اکسلنسی نواب سر صدر اعظم بہادر میں یہ استدعا کی کہ آں جناب نمائش کے افتتاح کو قبول فرمائیں نمائش کی کامیابی متیقن ہو گئی کہ جب معاشی کمیٹی کو یہ جواب وصول ہوا کہ ہز اکسلنسی نے کمیٹی کی استدعا کو بہ طیب خاطر و بہ مسرت تمام قبول کر لیا ہے معاشی کمیٹی کا دوسرا کام نمائش کے لیے ایک ورکنگ کمیٹی کی تشکیل تھا۔ حسن اتفاق سے اس میں محمد فاروق صاحب بی اے۔ ایچ سی ایس مددگار ناظم بلدیہ۔ پریم لال جی صاحب رکن بلدیہ اور عبدالوہاب صاحب بی اے انجینیر اسٹیٹ راجہ شیوراج بہادر نے شرکت قبول کر لی مسٹر شنکر جی اس کے معتمد مقرر ہوئے۔

نمائش کے لیے اولاً ڈپارٹمنٹل پروگرس پاویلین کا انتخاب کیا گیا تھا جناب مہر علی فاضل صاحب قابل شکریہ ہیں کہ انھوں نے بہ عجلت ممکنہ شہزادہ والاشان معظم جاہ بہادر صدر مجلس آرائش بلدہ سے اس کے اجازتی احکام حاصل کیے۔ نہ صرف اس پاویلین کی اجازت بلکہ باغ عامہ سے اور دیگر مراعات کے حصول کے لیے جناب مہر علی فاضل صاحب

اور جناب جمال الدین صاحب ناظم باغات نے بہمہ وجوہ امداد دی ہے۔

پراسپکٹس کی ترتیب اور طباعت دوسرا مرحلہ تھا۔ خواجہ حمید احمد صاحب بی اے منتظم نظامت صنعت وحرفت نے محکمہ تجارت کے ڈپٹی ڈائرکٹر مسٹر مشتاق احمد پرسنل مددگار جنرل منیجر ریلوے نے اس ضمن میں مفید مشورے دیے تھے۔ طباعت پراسپکٹس کا مرحلہ مبادلتاً راقم نے طے کیا گیا اور پھر جناب محمد علی صاحب ام اے مددگار مدرسہ فوقانیہ چادر گھاٹ بجبدالرحیم صاحب بی اے اور محمد علی خاں صاحب بی اے نایب معتمد معاشی کمیٹی نے کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رکھا کہ مختلف کارخانوں اور صناعوں کے ہاں جا کر ان کو آمادہ کیا جائے کہ نمایش میں شریک ہوں۔ روزآنہ جو صناع اور کارخانے شریک ہوتے ان کی فیس شرکت اور بعض کے پیشگی کرایوں سے ٹیکسی موٹر کے کرایے ادا ہوتے تھے جشن سال نو کے دوران میں نمایش کے انعقاد سے متعلق تشہیر کا موقع ہاتھ آیا، یہ اشتہارات بھی مبادلتاً راقم نے کر طبع کرائے گئے تھے۔

جشن سال نو کے عشائیہ میں صدر معاشی کمیٹی اور نواب مہدی نواز جنگ بہادر کی گفتگو رہی کہ نواب صاحب نمایش کے انعقاد میں اپنی امداد و اشتراک سے ممنون فرمائیں نواب صاحب نے کسی وقت پر متوجہ کیا کہ مبادا یہ نمایش کی کامیابی کو متاثر نہ کردے۔ دوسرے روز نواب صاحب دفتر کمیٹی پر تشریف بھی لائے اور کافی مباحثہ رہا کہ نمایش کو فروردی میں کیوں نہ ملتوی کر دیا جائے۔ خواجہ حمید احمد صاحب اس پر مصر تھے کہ نمایش کو ملتوی نہ کیا جائے۔ رائے مدن موہن لعل صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد ایک اعلان لکھا گیا کہ بہ لحاظ توقع بارش دکھی وقت نمایش یکم فروردی تک کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔

اس کے بعد میں جناب نواب مہدی نواز جنگ بہادر تشریف لے گئے لیکن ابھی اعلان کی روشنائی خشک بھی نہ ہوئی ہوگی کہ ارکان معاشی کمیٹی نے ایک طرح کی پستی محسوس کرنی شروع کی اور ایسا محسوس کیا گیا کہ یہ رد عمل بہت زیادہ مہلک ہوگا خواجہ حمید احمد صاحب نے ازسر نو اپنا نکتہ خیال پیش کیا۔ رائے موہن لال صاحب نے تائید کی میر محمود علی صاحب صدر نے بھی کہا کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ بالآخر یہی طے ہوا، اور اس بارہ بجے رات تک جملہ مبادیات پر وگرام طے ہوئے، مگر صبح پھر موسلا دھار بارش میں التوا کی مناسبت پر غور کیا گیا۔ محکمہ ہائے نظامت صنعت وحرفت اور معتمدی صدر اعظم بہادر سے بہ ذریعۂ فون گفتگو کی گئی، اور محض اس بنا پر کہ ہز اکسلنسی سر صدر اعظم بہادر تک التوا کی اطلاع پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوئی۔ کارکنوں نے اس تاخیر سے شگون لیا کہ اب التوا کا خیال قطعاً ترک کر دیا جائے اسی روز شام میں نواب اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر نے ورکنگ کمیٹی کے جلسے میں شرکت کی اور ازسر نو مبادیات پر غور کیا جا کر تقسیم کار کی تکمیل کی گئی۔ صاحبزادہ میر وزیر علی خاں بی اے، ال ال بی کیبل کو شعبۂ تفریحات

سپرد کیا گیا۔ نواب مہدی نواز جنگ بہادر نے کمال آمادگی سے اپنے عملے کی رضاکارانہ خدمات نمایش کے لیے عطا کردیں۔ بلدیہ کا برقی آب دارخانہ بھی نصب کیا گیا۔ ناممکن تھا کہ نواب صاحب کے اس اشتراک کے بغیر نمایش کامیاب ہوتی۔

ڈپارٹمنٹل پروگرس پاویلین میں اسٹال قایم کرنے میں مشکلات نظر آئیں تو عجائب خانہ سرکار عالی سے متصل عمارت تیار کردہ محکمۂ صنعت وحرفت کا انتخاب بہت ہی موزوں ثابت ہوا، اور ساتھ ہی مولوی احمد محی الدین صاحب ناظم صنعت وحرفت سے جو وہاں رفتار کار دیکھنے آئے تھے اس کی اجازت کی بابت عرض کردیا گیا۔ اس عمارت کا صحن کئی فٹ جھاڑی سے بھرا ہوا تھا، اور صفائی وآہک پاشی کی شدید ضرورت تھی جس کا سلسلہ شروع کرادیا گیا تھا کہ دکن ماربل لایم کمپنی نے ملکی سنگ مرمر کے چونے سے ساری عمارت کی اپنی گرہ سے آہک پاشی کردی۔

نواب زین یار جنگ بہادر نے اس موقع پر اسٹالس کی ترتیب اور عام سجاوٹ سے متعلق بہت ہی مفید مشورے دیے جن کو عبدالوہاب صاحب انجینیر نمایش نے بہت ہی اچھی طرح پر تکمیل کو پہنچایا۔ سامان تعمیر جوبلی پاویلین بھی مستعار عطا کیا گیا۔ نواب زین یار جنگ بہادر نے علاوہ ازیں عطائے اسناد کی کمیٹی میں عملی شرکت کی غرض سے بھی اپنا بہت وقت دیا۔ حضور والاشان شہزادہ برار اور شہزادی برار کی نمایش میں رونق افروزی میں نواب زین یار جنگ بہادر کے توسط کو بڑا دخل تھا، اور ان کے ملاحظہ نمایش کے وقت بھی وہ موجود تھے۔

نمایش گاہ میں عارضی ٹیلیفون قایم ہونے سے بڑی سہولت رہی اور یوم خواتین کو اس کی ایک شاخ باہر مردانے میں قایم ہوئی۔ جناب مرزا مصطفےٰ بیگ صاحب مہتمم محکمۂ ٹیلیفون نے اس میں بڑی دلچسپی لی۔ اسی طرح سے نل کی بھی عارضی طور پر احاطۂ نمایش میں کئی شاخیں قایم ہوئیں۔ مسٹر فریدون سہراب جی جیجنائی نے اس خصوص میں بڑی مدد کی۔ نمایش کے افتتاح سے ایک روز پہلے سے ہی کوتوالی کا پہرہ مامور کردیا گیا۔ نواب رحمت یار جنگ بہادر نے ہر جہتی طور پر بڑی امداد فرمائی۔ راہ رو نیز داخلے کے انتظامات میں کوتوالی کے اشتراک عمل سے بڑی آسانی ہوئی۔ نواب رحمت یار جنگ بہادر نے دو دن کے لیے کوتوالی کا بیانڈ بھی عطا فرمایا، اور عہدہ داران کوتوالی بلدہ کے علاوہ حامد الدین صاحب صدر امین سمت نے بھی بڑے ہی تعاون سے کام کیا۔

محکمۂ ریلوے نے ریل کے کرایے میں اور نیز ریلوے بسوں کی حد تک رعایتی ٹکٹ جاری کیے۔ نمایش میں، ان کا ایک پبلسٹی اسٹال بھی قایم ہوا تھا جسے خاص طور پر باب الدخلہ میں جگہ دی گئی تھی۔ اس ضمن میں میجر سلاٹر اور

مسٹر مشتاق احمد کی کمیٹی خاص طور پر مشکور ہے۔ نمایش گاہ میں مسرس کیو براد رس کے غازی نے اپنا ایک ریڈیو اسٹال قایم کیا تھا کہ جہاں سے وقت بہ وقت کمیٹی نمایش کی طرف سے محمد فاروق صاحب کمپ افسر اطلاعات نشر کرتے تھے۔

پائیگاہ نواب معین الدولہ بہادر سے ایک ہاتھی معہ ہودج اور کئی اونٹ مستعار ملے۔ اسی طرح جناب شمشیر نواز جنگ بہادر کے علاقے سے بھی ایک ہاتھی اور اونٹ مستعار ملا کہ جو بازیچے میں نمایش کو آنے والوں کے لیے بڑی دلچسپی کا باعث رہے مسٹر سری دھرنایک نے دو کشتیاں دیں کہ جو یکساں طور پر باعث دلچسپی۔ ایک ہاتھی کا ہودج نواب بہادر یار جنگ کے ہاں سے ملا۔

ناظم صاحب آثار قدیمہ اور مولوی محمد احمد صاحب مہتمم عجایب خانہ کو اوقات نمایش کے موافق کر کے نیز عجایب خانے کے سامان کو نمایش گاہ تک بلا منتقل کر کے بڑا انعادن کیا۔ نعیم الدین حمید صاحب مہتمم فراش خانہ عامرہ سے بھی بڑی مدد ملی۔

نمایش میں مختلف صناعوں نے شرکت کی۔ جملہ (۱۵۱) اسٹال قایم ہوئے تھے۔ اس نمایش میں چرمی سامان۔ صابون۔ روغن۔ ظروف۔ بیدری صنعت۔ فرنیچر و چوبی کام۔ ادویات سگریٹ کھلونے کاغذ سازی و صنعت کاغذ۔ دست کاری ملبوسات اور پارچہ جات۔ نقاشی تصویر کشی۔ ڈرائنگ خطاطی اور طباعت۔ برش۔ آہنی اشیاء۔ چاندی و سونے کے زیورات شیشہ چینی کی اشیاء جلد سازی۔ بید بافی۔ ٹوپیاں بیکری کے علاوہ قدیم مصنوعات کے بھی شعبہ جات قایم کیے گئے تھے۔ معاشی کمیٹی کی جانب سے بھی ایک اسٹال قایم کیا گیا تھا جس میں خواتین اور طلباء کے تیار کردہ مصنوعات اور گھریلو صنعتیں رکھے گئے تھے اس میں خصوصیت سے محترمہ صغرا ہمایون مرزا اور مس سعیدہ ضمیر الدین صاحب کا نام قابل تذکرہ ہے۔ بہ لحاظ تعداد فروخت اشیاء یہ کوشش بہت کامیاب رہی۔ خواجہ حمید احمد صاحب اور سید علیم اللہ صاحب قادری متعلم کلیہ جامعہ عثمانیہ نے اس اسٹال میں رضاکارانہ طور پر کام کیا۔ علاوہ ازیں محکمہ ہائے صنعت و حرفت۔ مجالس جنگلات نے نمایش میں اپنی جانب سے اسٹال قایم کیے تھے۔

ناظم صاحب آبکاری نے اندرون نمایش گاہ جو درخت تاڑیوں کے تھے ان کے قطع کرنے کی منظوری دی اور نارائن گوڑہ ڈسٹلری سے تیار کردہ سامان کو بھی نمایش میں روانہ کرنے کا حکم دیا جو عدم گنجایش مسرس عبدالرزاق کے اسٹال ہی میں رکھا گیا۔ محکمہ صنعت و حرفت کے ٹکسٹایل اکسپرٹ مسٹر ناگناتھ نے شروع سے ہی نمایش سے دلچسپی لی اور اس کا بڑا افسوس ہے کہ عین یوم افتتاح کو ان پر فالج کا اثر ہو گیا

خدا کرے کہ ان کو صحت کلّی حاصل ہو۔ نمایش کے افتتاح سے ایک روز پہلے تک بھی ایک طرف یہ حال تھا کہ مزید درخواستیں وصول ہو رہی تھیں اور ان کے لیے اندرون عمارت صحن پر عارضی سائبان تیار ہو رہے تھے۔ دوسری طرف بعض اسٹال جن کو مختلف صناع صاحبان کے حوالے کر دیا گیا تھا، ابھی سجائے نہیں گئے تھے دراصل یہ اس لیے تھا کہ ان کو اس کے لیے صرف چند گھنٹے درکار تھے برایں ہم محمد علی خاں صاحب نایب معتمد نے موٹر میں شہر بھر کی ایک چکر کرلی ان کے واپس ہونے تک ہر اسٹال میں سجاوٹ شروع ہو چکی تھی۔

نمایش کے افتتاح کی پہلی رات کو نواب میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر نے جملہ رضا کاروں کو نمایش گاہ میں ضیافت ڈنر پر مدعو کیا کیونکہ ان کو پھر ساری رات مصروف رہنا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ اس رات کو تمام شب روشنی رہی اور رہ رہ کر ہر اسٹال میں سامان لایا جاتا رہا۔

افتتاح کا وقت ۹ر آذر ۱۳۴۶ف کو دن کے ۹ بجے سے مقرر تھا، بحمد اللہ اس وقت تک جملہ انتظامات کی تکمیل ہو چکی تھی اور ایک ممتاز مجمع کے سامنے ہز اکسلنسی سر اکبر حیدری نواز جنگ بہادر نے مسرس تاراچند کی پیش کردہ نقروی چابی سے نمایش کا افتتاح کیا اور پوری تفصیل کے ساتھ ملاحظہ بھی کیا یہاں سے نواب صاحب ٹاون ہال تشریف لے گئے اور کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے نمایش سے متعلق اپنے بیش بہا خیالات کا اظہار کیا۔ ممدوح الشان کی اس تقریر کا ابتدائی حصہ قابل ملاحظہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ :-

> "میں آپ کی نمایش کے نہایت اچھے نقوش اپنے ساتھ لایا ہوں۔
> جس کوشش سے ملکی صنعتوں کے نمونے خواہ وہ صنعتیں دستی ہوں یا بڑے
> پیمانے کی، قدیم ہوں یا جدید فراہم کیے گئے ہیں، اور جس سلیقے سے
> انھیں ترتیب دیا گیا ہے اور ان کی نمایش کی گئی ہے اس کے لیے
> بانیانِ نمایش قابلِ مبارک باد ہیں وہ جملہ کارخانہ دار و صناع بھی
> جنھوں نے اس نمایش کی کامیابی میں حصہ لیا ہے لائقِ ستایش ہیں۔"

کمیٹی نمایش نے بعض بہی خواہ احباب کے اصرار کے باوجود بہ خیال افادۂ عوام داخلہ صرف ایک آنہ رکھا تھا۔ فی الجملہ اس کی وجہ تیس ہزار مرد اور پانچ ہزار سے زاید خواتین نے نمایش دیکھی اور اور اس کی وجہ مصنوعات کی تشہیر و سرپرستی میں بڑی مدد ملی مولوی غلام محمد خاں صاحب رکن بلدیہ اور

سید شہاب الدین صاحب ۔ ید اللہی نے رضا کارانہ طور پر نمائش کی تشہیر کا کام اپنے ذمے لیا تھا۔

زیادہ سے زیادہ دلچسپی پیدا کرنے کی خاطر نمائش کے ٹکٹ ہائے داخلہ میں سے بہ ذریعہ قرعہ اندازی تین تین ٹکٹوں پر انعامات دیے گئے۔ وہ اس طرح کہ رقم انعام سے مصنوعات خرید کردی جاتی تھیں۔

علاوہ کوتوالی بلدہ کے علاقہ فوج بے قاعدہ کا بیانڈ کمانڈر نواب قدرت نواز جنگ بہادر کی مہربانی سے چار دن آتا رہا۔ علاقہ فوج کا ایک روز آیا، اور علاقہ کوتوالی کا بیانڈ ایک روز تھا۔ کشافہ لڑکوں نے بھی ایک روز مظاہرہ کیا۔ اس ضمن میں نواب صمد یار جنگ بہادر بریگیڈیر۔ قادر یار جنگ بہادر مسٹر ہالنس مولوی سید محمد حسین جعفری صاحب اور سید محمد ہادی صاحب کا شکریہ واجب ہے۔ یوم اطفال کے موقع پر کہ جب داخلہ صرف تین فلوس کر دیا گیا تھا اکثر مدارس سرکار عالی نے جلد برخاست کیا تھا نمائش میں بہت سارے امدادی مدارس کے طلباء کا غیر اوقات میں مفت داخلہ رہا۔ ہر رات نمائش کے ختم ہونے کا اعلان ملکی آتش بازی سے کیا جاتا تھا۔ ابتدا میں نمائش آٹھ بجے ختم ہوتی تھی مگر بعد میں معروضہ پیش ہونے پر اجازت ملی کہ دس بجے تک نمائش رکھی جائے۔ اور نیز دیوالی کی تعطیلات میں بھی اس کو جاری رکھنے کی اجازت عطا ہوئی۔ ان امور کے لیے نیز یوم خواتین کے انعقاد کی اجازت کے حصول میں عالیجناب نواب کاظم یار جنگ بہادر کی توجہات کو بڑا دخل رہا۔

نمائش میں حضور والا شان ولی عہد بہادر اور حضرت شہزادی برار کے علاوہ مہاراجہ یمین السلطنت بہادر نواب کمال یار جنگ بہادر۔ نواب مہدی جنگ بہادر امرائے عظام میں، اور وزرائے سلطنت میں نواب سر عقیل جنگ بہادر۔ نواب فخر یار جنگ بہادر۔ نواب مرزا یار جنگ بہادر اور مسٹر گرافٹن کی تشریف آوری قابل تذکرہ ہے۔ نواب کمال یار جنگ بہادر نے نو دو سو روپیے کا عطیہ بھی نمائش کمیٹی کو مرحمت فرمایا۔

فروخت ٹکٹ داخلہ کی حد تک محمد علی خاں صاحب عبدالرحیم صاحب کھنڈرجی صاحب کلیم الدین صاحب انصاری محمد غوث صاحب معتمد انجمن طیلسانین عثمانیہ اور رام راؤ صاحب نے خاص طور پر بڑی محنت اٹھائی۔ اسی طرح تفریحات کے ٹکٹوں کی فروخت پر عبدالہادی صاحب متعلم جامعہ عثمانیہ اور قاضی شمس الدین صاحب نے بڑا وقت دیا۔ دفتر نمائش میں سالمین بن عمر صاحب نے بہت کام کیا۔ ایام نمائش میں رضا کاروں کے ریفرشمنٹ کا انتظام محمد علی صاحب ام اے کے ذمے تھا۔

مصنوعات پر عطائے اسناد کے لیے ایک کمیٹی ترتیب دی گئی تھی جس میں مسٹر گرافٹن: راجہ بہادر

بشیشر ناتھ۔ نواب زین یار جنگ بہادر۔ نواب مہدی نواز جنگ بہادر مولوی سید فضل اللہ صاحب پی سی ایس۔ نواب اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر اور ڈاکٹر رضی الدین صاحب شریک تھے، اور بہت ہی تفصیل سے غور و خوض کیا جا کر یہ امر طے ہوا اس کا علحدہ اعلان کیا جا چکا ہے۔

نمایش کا انعقاد بجائے خود کتنا ہی سود مند کیوں نہ ہو عملاً رائیگاں ہوتا اگر صناعوں کے اجتماع اور مصنوعات کے مظاہرے سے کچھ ٹھوس علمی اور تحقیقی کام کی ابتدا نہ کی جاتی چنانچہ اس کے لیے خواجہ حمید احمد صاحب بی اے نے ڈائرکٹری کی ترتیب کا ذمہ لیا ہے اور اس کے لیے ہر ہر صنعت سے متعلق تفصیلی اعداد فراہم کر لیے گئے ہیں اس کے لیے ہر ہر اسٹال کا فوٹو بھی لیا گیا ہے۔

ہر ہر صناع کی مشکلات اور دقتوں نیز ان کے مال کی نکاسی وغیرہ سے متعلق تفصیلات کی فراہمی کے لیے مرزا عبدالباسط بیگ صاحب سیول سروس کلاس نے ایک سوال بند بھی مرتب کیا تھا اور مسرت کا مقام ہے کہ باوجود نمایش کی مصروفیت کے ہر ہر صناع نے اس کے جوابات دیے ہیں۔ ان سب کو مرتب کیا جا رہا ہے تاکہ ان پر مناسب کارروائی ہو سکے۔

ان سب کے سوا صناعوں کی اور نیز کارکنان نمایش اور عہدہ داران محکمہ صنعت و حرفت کی ایک کانفرنس بھی بہ تاریخ ۱۸ آذر ۱۳۴۹ف شام میں اندرون احاطہ نمایش گاہ زیر صدارت میر محمود علی صاحب صدر معاشی کمیٹی منعقد کی گئی اور اس میں جتنی بھی تقاریر کی گئیں ان میں اس امر پر اتفاق رائے رہا کہ صناعوں اور کاری گروں کا کسی مرکزی ادارے سے متعلق رہنا مناسب ہے تاکہ اجتماعی طور پر ان کی مشکلات کا اظہار ہو اور نیز علمی تحقیق کی رو سے ان کی صنعت کی ترقی کے وسایل فراہم ہوں اور اس غرض کے لیے معاشی کمیٹی کو موزوں قرار دیا گیا چنانچہ کئی اصحاب معاشی کمیٹی میں شریک ہو چکے ہیں۔

اس جلسے کا مقصد ملکی صنعتی ترقی میں جو رکاوٹیں حایل ہیں انھیں معلوم کر کے مناسب تجاویز پر غور کرنا تھا۔ جلسے کی کارروائی کا آغاز محمد فاروق صاحب بی سی ایس کی تقریر سے ہوا موصوف نے نمایش کے انعقاد کی ضرورت اس کی اہمیت اور کانفرنس کے مقاصد پر روشنی ڈالی۔ بعد ازاں امیر علی خاں صاحب مارکٹنگ آفیسر سرکار عالی نے ایک مختصر اور جامع تقریر کی۔ صاحب موصوف نے کہا کہ سرکار عالی ہمیشہ صنعتوں کی امداد کے لیے آمادہ رہتی ہے، ضرورت ہے کہ عوام بھی اس طرف متوجہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اضلاع کے صناعوں کے لیے ایک مرکزیت کی ضرورت ہے، اور خواہش ظاہر کی کہ جملہ صناع معاشی کمیٹی کے رکن ہو جائیں۔

خواجہ حمید احمد صاحب بی اے نے معاشی کمیٹی کے مقاصد بیان کرتے ہوئے درخواست کی کہ صناع جامعہ عثمانیہ کے طلباء کو تحقیقات کا موقع دیں اور معاشی پیمائش (سروے) میں ان کی اعانت کریں۔ اس کے بعد تجمل حسین صاحب یم یس سی مالک کارخانہ گلے ورکس نے معاشی کمیٹی کی جد وجہد کی ستائش کرتے ہوئے ملک کی عام حالت کا ذکر کیا اور ہر طرح کمیٹی کی مدد پر اپنی آمادگی ظاہر کی۔ جناب غلام غفار صاحب نے کہا کہ نمائش سے صناعوں کا فایدہ ہوتا ہے۔ موصوف نے بیان کیا کہ بیدری صنعت کی بہتری کے سلسلے میں بعض کام کی باتیں انھیں اس نمائش میں مل گئیں۔ اس کے بعد ممتاز الدین صاحب نمایندہ امیر سوپ فیاکٹری نے اپنے کارخانے کے حالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ شہر کے صناعوں کے لیے اس نمائش کی یہ دولت مبارک و مسعود ثابت ہوا۔ نواب میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر نے صناعوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ انعقاد نمائش کے سلسلے میں صناعوں اور کارخانہ داروں کو جو زحمت ہوئی اس کا مقصد یہ تھا کہ آیندہ ان صنعتوں کی بہتری کے لیے کوئی تدبیر ہو سکے۔

خواتین کے اصرار پر نہایت تامل کے بعد جمعہ ۱۶ ر آذر کو پر وہ دن رکھا گیا تھا جس دن اندرون حدود نمائش گاہ تمام انتظامات بالکلیہ خواتین ہی کے ذمے تھے مسرت اور اطمینان کی بات ہے کہ یہ دن خیر و خوبی کے ساتھ گزرا۔ باوجودیکہ خواتین ہزاروں کی تعداد میں نمائش دیکھنے آئی تھیں خواتین رضاکاروں کے حُسنِ انتظام کی وجہ سے کوئی حادثہ پیش نہ آیا، اور نو بجے سے قبل ہی تمام اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ بیگم مہدی نواز جنگ کی سرکردگی میں خواتین رضاکاروں نے ٹکٹ فروشی تنقیح ٹکٹ، اسٹالوں کی نگرانی و فروخت اشیاء و تفریحات کا جس حُسن و خوبی کے ساتھ انتظام فرمایا وہ بہت قابل قدر و لایق ستائش تھا اور شاید ان کے اشتراک عمل اور احساس تعاون کی عدم موجودگی میں نمائش ہرگز کامیاب نہ ہو سکتی۔

نمائش میں ٹکٹوں کی فروخت و تنقیح وغیرہ مس پلومن مس نندی مس بہروچہ سے متعلق تھی جنھوں نے اپنی گرل گائیڈز اور طالبات کی مدد سے قابلِ تعریف طریقے پر اپنے فرائض کو بلا رو و رعایت انجام دیا۔ مس پلومن نے دفتر میں اپنے کام کو نہایت سلیقہ و خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ اسٹالوں کی نگرانی اور رفرشمنٹ کا انتظام مسز پلے کے ذمے تھا جسے انھوں نے اپنی رضاکار خواتین کے ساتھ حُسن و خوبی پورا کیا۔ سینما، کشتی رانی و دیگر تفریحات کا انتظام مسز دادابھائی اور ان کی رضاکار خواتین کے سپرد تھا جس عمدگی کے ساتھ وہ اپنے نازک فرائض سے سبک دوش ہوئی ہیں وہ نہایت لایق ستائش تھا۔ اس تمام

انتظام میں گرل گائیڈز اور طالبات کلیۂ اُناث کے علاوہ دوسری خواتین نے رضاکارانہ خدمات انجام دے کر اپنے احساسِ شہریت کا ثبوت دیا ہے جن خواتین کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کے علاوہ مسز حسین علی خاں مسز آمنہ پوپ۔ مسز فاروق۔ مسز ڈاکٹر مقبول علی مس مہدی یار جنگ اور مس حیدر علی خاں اور مسز بلوسن سے بھی انتظام میں بڑی مدد ملی بیگم مہدی نواز جنگ نے جس دلچسپی، انہماک۔ ایثار اور حسنِ انتظام کا ثبوت دیا ہے اس سے خواتینِ دکن کا مستقبل نہایت خوش آیند نظر آتا ہے۔

۱۸ آذر ۱۳۴۹ف کو نمایش بخیر و خوبی ختم ہوئی۔ افتتاح رائٹ آنریبل سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر کے ہاتھوں ہوا تو ختم ہونے والی رات ہز ہائینس والاشان شہزادۂ برار و ہز ہائینس شہزادی برار کی رونق افروزی یادگار رہی اس روز شب میں نواب علی یاور جنگ معتمد امورِ دستوری نے پروفیسر اسد انصاری اور ان کے ساتھیوں اور بعض رضاکاروں کو انعامات تقسیم کیے۔

دوسرے روز صبح میں مظاہرہ کنندگان کی طرف سے کارکنانِ نمایش کو چاء نوشی پر مدعو کیا گیا تھا اور اس موقعے کی مناسبت سے نواب رئیس جنگ بہادر معتمد صنعت و حرفت کو عطائے اسناد کے لیے زحمت دی گئی تھی مظاہرہ کنندگان کی طرف سے کارکنانِ نمایش کا شکریہ ہو چکنے کے بعد نواب اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر نے ان کی تشریف آوری کے لیے نواب رئیس جنگ بہادر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے عطائے اسناد کی خواہش کی اور نواب صاحب نے اسناد تقسیم کرنے کے بعد اپنے تاثرات کا مختصر طور پر اظہار فرمایا کہ نمایش بہت ہی کامیاب رہی ہے اور اس کا مقابلہ بہت اچھی طرح سے لکھنو۔ لاہور کی نمایشوں سے کیا جاسکتا تھا، اور یہ توقع کی کہ ہر سال معاشی کمیٹی نمایش کا انعقاد کیا کرے گی۔

آخر پر ایک گروپ فوٹو بھی کارکنانِ نمایش اور مظاہرہ کنندگان کا لیا گیا۔ اختتام پر نمایش کے متعلق بعض حضرات کی رائے قابلِ ذکر ہے:۔

۱ اپنی نوعیت کی کامیاب نمایش	ہز اکسلنسی سر صدر اعظم بہادر سرکار عالی
۲۔ ایسی ہی کوششیں مُلک کی ترقی کے لیے کرنی چاہئیں۔	حضرت شہزادی درشہوار بیگم صاحبہ
۳۔ آپ نوجوانوں سے ہی مُلک کی ترقی کی توقع ہو سکتی ہے۔	ہز اکسلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر

۴۔ نمائش کا ہر شعبہ قابلِ تعریف ہے، دعا کرتی ہوں کہ یہ ترقی عروج پر رہے۔	مسز خدیجہ شفیع طیب جی
۵۔ بہت اچھا مظاہرہ۔	نواب سر عقیل جنگ بہادر
٦۔ نہایت کامیاب کوشش	مسٹر گرافٹن صدر المہام مال و پولیس
۷۔ نمائش بلاشبہ کامیاب ہے لیکن اس کے بعد کا کام اور زیادہ اہم ہے۔	نواب ناظر یار جنگ بہادر
۸۔ توقع سے زیادہ نمائش کامیاب رہی۔	نواب مہدی نواز جنگ بہادر
۹۔ نمائش بہ آسانی لکھنؤ و لاہور کی آل انڈیا نمائش کا مقابلہ کر سکتی ہے۔	نواب زین یار جنگ بہادر
۱۰۔ نمائش کی بہ دولت بعض صنعتوں کے وجود کا پہلی مرتبہ علم ہوا۔	مولوی سید فضل اللہ صاحب ناظم امداد باہمی
۱۱۔ گذشتہ پندرہ سال میں ملک نے جو صنعتی ترقی کی ہے آج اس کا مکمل مظاہرہ۔	مولوی محمد بیگ صاحب اول تعلقدار باغات
۱۲۔ جامعہ عثمانیہ کے طلباء کی زندگی کا بہترین ثبوت۔	پروفیسر الیاس برنی ناظم دار الترجمہ
۱۳۔ سرکار عالی اور رعایا برایا کے تعاون عمل اور اشتراک کا بدرجہ اتم مفید ثمرہ۔	نواب میر اکبر علی خاں بار ایٹ لا
۱۴۔ حیدر آباد کے نوجوانوں نے اپنی کوشش و محنت سے بہت اچھی نمائش کی۔	صغرا ہمایوں مرزا صاحبہ

اسی طرح پر نمائش کا کامیاب انعقاد بلاشبہ اس کا اظہار ہے کہ ملک بہ درجہ اتم اس کے لیے آمادہ تھا۔ محکمہ ہائے سرکاری کا خاطر خواہ تعاون نمائش کی کامیابی کا دوسرا سبب ہے کہ جس کے لیے نواب میر اکبر علی خاں بیرسٹر ایٹ لا اور مولوی سید محمد محی الدین صاحب ناظم سررشتۂ صنعت و حرفت کی سرگرم اور موفور مساعی قابلِ تشکر ہیں یہاں یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ سے نمائش کو ایک ہزار روپیہ کی گراں قدر امداد ملی جو معاشی کمیٹی کے

کاروبار میں قابلِ اطمینان سرگرمی پیدا کرنے کا باعث ہوا۔

ان دو اسباب سے قطع نظر کارکنانِ نمائش کا رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو شبانہ روز نمائش کے لیے اس طرح وقف کر دینا بھی کہ نہ گھر بار کی فکر تھی نہ ہی کھانے پینے کی سدھ رہی تھی۔ نمائش کی کامیابی کا ذمہ دار رہا۔

---

(۱) محمد عبدالرحیم بی اے (عثمانیہ) معتمد (۲) شنکرجی بی اے (عثمانیہ) معتمد نمائش (۳) محمد شرف الدین بی اے (عثمانیہ) معتمد معاشی کمیٹی حیدرآباد

۸۶

مرکز مصنوعاتِ ملکی معاشی کمیٹی حیدرآباد امداد باہمی محدود

معاشی کمیٹی کے زیر اہتمام مرکز مصنوعاتِ ملکی کا قیام عمل میں آیا ہے اور انجمن ہائے امداد باہمی سرکار عالی کے تحت اس کی رجسٹری کرائی گئی ہے۔

اس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اراکین ادارہ ہذا کو باہمی اتفاق و اتحاد سے کام کرنے کا عادی بنانا (۲) معاشی کمیٹی حیدرآباد کے قیام کے اغراض کو عملی جامہ پہنانا۔ (۳) ملکی مصنوعات کو ترقی دینا اور ان کی مانگ اندرون و بیرونِ ملک پیدا کرنا (۴) دکانِ ملکی مصنوعات معظم جاہی مارکٹ کے انتظامی و مالی امور کو اپنے ذمے لینا اور انجام دینا (۵) صناعوں کی امداد کے لیے اتحادی اصول پر بنک کا قیام (۶) ایسے معاشی ادب (لٹریچر) کا شایع کرنا جس سے ملک کے قدرتی وسایل کا علم ہوسکے اور ان سے استفادہ اور ان کا وسیع استعمال (۷) باشندگانِ ملک کو مصنوعاتِ ملکی کے استعمال کی ترغیب دلانا اور ارکانِ ادارہ کو حتی الوسع اس کے استعمال پر پابند کرنا۔

ہر وہ شخص جو معاشی کمیٹی کا رکن ہو ادارہ ہذا کا حصہ دار ہوسکے گا۔

ادارۂ ہذا کا سرمایہ ۲۵ ہزار روپیے سکۂ عثمانیہ کے (۲۵۰۰) حصص پر مشتمل ہے۔ فی حصہ دس روپیے سکۂ عثمانیہ کا ہے۔
تفصیلی قواعد و حصص کے فارم معظم جاہی مارکٹ (دکان نمبر ۸) یا دفتر معاشی کمیٹی عابد روڈ سے دستیاب ہوسکتے ہیں۔

ششماہی رپورٹ انجمن طیلسانین عثمانیہ حیدرآباد دکن

آذر تا اردی بہشت ۱۳۴۸ف

"انجمن طیلسانین عثمانیہ نے اپنی جدوجہد کے اور چھ ماہ کامیابی کے ساتھ ختم کر لیے ہیں،
ان چھے مہینوں میں جو کام انجام دیا گیا ہے اس کی مختصر روئیداد پیش کی جاتی ہے۔"

کابینہ کی تشکیل میں اس مدت کے دوران میں کوئی تغیر عمل میں نہیں آیا، اس کی تشکیل حسب ذیل ہے:-

۱۔ ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی۔	صدر	۷۔ نواب میر احمد علی خاں صاحب جاگیردار	رکن
۲۔ مولوی سید محمد احسن صاحب	نایب صدر	۸۔ نواب میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر	،،
۳۔ مولوی محمد غوث صاحب	معتمد	۹۔ رائے مہندر راج صاحب سکسینہ	،،
۴۔ رائے شنکر جی صاحب بی اے	نایب معتمد	۱۰۔ صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب	،،
۵۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے	خازن	۱۱۔ راجہ رائے گرو داس صاحب جاگیردار	،،
۶۔ مولوی محمد عبدالمجید صاحب صدیقی	رکن	۱۲۔ رائے شنکر موہن لال صاحب ماتھر	،،

اس ششماہی میں کابینہ کے (۹) اجلاس ہوئے اور اس نے (۶۵) امور پر غور کیا حسب سابق انجمن کے کاروبار کو دو بڑی نوعیتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک تو وہ امور جن کے متعلق خود انجمن کی جانب سے عملی طور پر کام کیا جاتا ہے، اور دوسرے وہ امور جن کے متعلق انجمن سرکار عالی اور دوسرے عام اداروں کو مفاد ملک کے مسایل میں توجہ دلانے کا فرض انجام دیتی ہے۔

انجمن کا اندرونی کام مستقل طور سے چند ملحقہ جماعتوں میں تقسیم کر دینے کا تجربہ اب عملاً بہت کامیاب ہو چکا ہے

اس قسم کی ملحقہ جماعتوں میں مجلس علمیہ عثمانیہ بلدی جماعت اور معاشی کمیٹی مستقل طور سے موجود اور اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں۔

عثمانیہ بلدی جماعت | عثمانیہ بلدی جماعت کی مجلس عاملہ کی تشکیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ مولوی غلام مصطفےٰ صاحب مددگار باب حکومت صدر

۲۔ مولوی محمد کرامت علی صاحب بی اے معتمد

۳۔ مولوی مرزا قدرت اللہ بیگ صاحب یم اے شریک معتمد

۴۔ نواب میر اکبر علی خاں صاحب بی اے۔ ال ال بی رکن

۵۔ پنڈت پریم جی لال جی صاحب رکن

۶۔ پنڈت گنڈے راؤ صاحب بی اے۔ ال ال بی۔ رکن

۷۔ مولوی غلام محمد خاں صاحب یم اے۔ رکن

۸۔ پنڈت سوامی نایک صاحب بی اے۔ رکن

۹۔ نواب میر احمد علی خاں صاحب یم اے۔ ال ال بی۔ رکن

۱۰۔ رائے مدن موہن لال صاحب بی اے۔ ال ال بی رکن

۱۱۔ مولوی محمد غوث صاحب یم اے۔ ال ال بی۔ رکن

۱۲۔ مولوی ابو الخیر صاحب صدیقی بی یس سی۔ رکن

۱۳۔ صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب بی اے۔ ال ال بی۔ رکن

۱۴۔ نواب خواجہ سردار اللہ خاں صاحب جاگیردار۔ رکن

۱۵۔ مولوی سمیع احمد صاحب رکن

۱۶۔ راجہ رائے گردواس صاحب بی اے۔ ال ال بی جاگیردار۔ رکن

۱۷۔ حکیم دوارکا پرشاد صاحب جاگیردار۔ رکن

۱۸۔ مولوی میر محمد علی خاں صاحب منصب دار۔ رکن

عثمانیہ بلدی جماعت کی جانب سے بلدیہ میں جو ارکان موجود ہیں وہ بلدی سود و بہبود کے کاروبار میں پوری سرگرمی سے منہمک ہیں۔ جماعت کی مجلس عاملہ نے طے کیا ہے کہ بلدیے کے کام کے سلسلے میں جماعت کے ارکان

بلدیہ سے یکجہتی اور نظم کا زیادہ بہ زیادہ اظہار ہو۔ اس غرض سے مجلس عاملہ نے یہ طے کیا ہے کہ بجز ان مسایل کے جن کے متعلق مجلسِ عاملہ عثمانیہ بلدی جماعت خود تصفیہ کرے۔ دیگر تمام مسایل متعلقہ بلدیہ کا تصفیہ مجلسِ بلدیہ کے ان ارکان کی کمیٹی کرے گی جو جماعت ہذا کے رکن ہوں۔ اس کمیٹی کے تصفیہ کے وہ تمام ارکان بلدیہ پابند ہوں گے جو جماعت ہذا کے رکن ہیں مولوی غلام محمد خاں صاحب یم اے رکن مجلس بلدیہ اس کے معتمد قرار دیے گئے ہیں۔ اس جدید انتظام سے زیادہ بہتر نتایج پیدا ہو رہے ہیں۔ علاوہ ازیں مجلس عاملانہ نے طے کیا ہے کہ بلدیہ کے اندر اراکین عثمانیہ بلدی جماعت میں ڈسپلن اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ قواعد مدون کیے جائیں اس غرض سے ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے جو توقع ہے کہ جلد اپنا کام ختم کر دے گی۔

سالِ حال بھی ایک بلدی کانفرنس زیرِ صدارت نواب مرزا یار جنگ بہادر بہ مقام باغ عامہ منعقد ہوئی۔

معاشی کمیٹی | معاشی کمیٹی نے اپنے اہتمام سے مصنوعات ملکی کی نمایش منعقد کی۔ ارکان کمیٹی دیگر ارباب کار اور رضا کاران نے جس سرگرمی محنت اور ایثار کا ثبوت دیا ہے آیندہ کے لیے بہت ہمت افزا اور ایک فالِ نیک ہے۔ اس نمایش سے ثابت ہو گیا ہے کہ طیلسانی برادری میں عمل کی کیسی کیسی قوتیں پنہاں ہیں اور یہ کہ استقلال اور اخلاصِ عمل کے لیے کامیابی کے ابھی بہت سارے میدان موجود ہیں۔ کمیٹی نے مصنوعاتِ ملکی کی نکاسی کے مواقع پیدا کرنے اور صناعوں کی سہولت کے مدِنظر ایک دُکان معظم جاہی مارکیٹ میں کھولی ہے۔ قانون انجمن ہائے امداد باہمی کے تحت اس کو بہ طور ایک علیحدہ ادارہ کے رجسٹر کیا جا رہا ہے۔ ہرچند ابھی اس کوشش میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن توقع ہے کہ بہت جلد کام کا ایک مضبوط سلسلہ قایم ہو جائے گا۔

معاشی کمیٹی کی مجلس عاملہ کی تشکیل حسب ذیل ہے :-

۱۔ مولوی میر محمود علی صاحب ام اے ۔ صدر

۲۔ مولوی محمد شرف الدین صاحب بی اے ۔ معتمد

۳۔ مولوی محمد علی عماں صاحب بی اے ۔ شریک معتمد

۴۔ مولوی محمد فاروق صاحب یچ سی یس ۔ رکن

۵۔ مولوی محمد علی صاحب یم اے ۔ رکن

۶۔ مولوی محمد خواجہ حمید احمد صاحب بی اے۔ رکن

۷۔ مولوی محمد غوث صاحب یم اے۔ ال ال بی۔ رکن

۸۔ مسٹر نرسنگ راؤ اڈیٹر رعیت۔ رکن

۹۔ رائے شنکر جی صاحب بی اے۔ ال ال بی۔ رکن

۱۰۔ رائے مہندر راج صاحب یم ایس سی۔ رکن

۱۱۔ مولوی سید محمد احسن صاحب بی اے۔ ال ال بی۔ رکن

مجلس علمیہ | کابینہ نے طے کیا ہے کہ مجلس علمیہ کے لیے بھی علٰحدہ قواعد مرتب ہوں اور اس کے کام کو بھی انجمن کے ایک مستقل شعبے کے طور پر چلایا جائے، اب تک مجلہ طیلسانئین اس مجلس کے اہتمام میں شایع ہوتا تھا چنانچہ اب تک اس کی دو جلدیں شایع ہو چکی ہیں جن کے ذریعے یم اے کے امتحان کے لیے لکھے ہوئے تین مقالے مجلس علمیہ نے شایع کر دیے۔

انجمن طلبائے قدیم | انجمن کی کابینہ نے انجمن سے ملحق ایک انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ کے قیام کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی، اس کی جانب سے قواعد کا جو مسودہ پیش ہوا، اس کو جلسۂ عام میں پیش کیا جا رہا ہے۔

قرارداد | کابینہ نے ملک کے موجودہ حالات کے مد نظر ایک قرارداد بھی منظور کی جو حسب ذیل ہے:۔

> "انجمن طیلسانئین عثمانیہ خانوادۂ آصفیہ کے زیر سایۂ عاطفت ملک کی
> دستوری اصلاح و ترقی میں یقین رکھتی ہے، لیکن جو غیر دستوری طریقے اختیار
> کیے جا رہے ہیں اُن کو ناپسند کرتی ہے۔ انجمن ان دہشت ناک واقعات کو
> جو چند روز سے ظہور پذیر ہو رہے ہیں نہایت شرم ناک تصور کرتی ہے اور
> اہل ملک و حکومت سے مستدعی ہے کہ ان دہشت ناک امور کے کامل طور سے
> دفع کرنے کے ممکنہ تدابیر اختیار کیے جائیں تاکہ ملک میں امن و سکون قایم رہے
> جو ہر قسم کی ترقی کے لیے شرط ابتدائی ہے۔"

زبان سرکاری | کابینہ نے ایک تحریک پر غور کیا کہ دفاتر سرکاری میں زبان سرکاری کے استعمال میں بہت غفلت برتی جاتی ہے، یہ امر مناسب معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں کافی جد و جہد کی جائے اس غرض سے کہ اس سلسلے میں مواد فراہم کیا جائے اور جد و جہد کی نوعیت تعین کی جائے ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے، اس نے جو رپورٹ پیش کی ہے

وہ یہ ہے کہ زبان کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے اس بارے میں کافی جد وجہد کرنی چاہیئے حسب ذیل اُمور طے کیے گئے۔

۱۔ زبان سرکاری کے متعلق احکام جمع کیے جائیں۔

۲۔ اس امر کی نسبت تا بہ حد امکان مواد فراہم کیا جائے کہ کن دفاتر میں انگریزی زبان مستقل ہے۔

۳۔ حکومت کو توجہ دلائی جائے کہ آیندہ مردم شماری کے موقعے پر نختہ جات اعداد شمار میں اُردو بولنے والوں کے تعداد کی صراحت کی جانی ضروری ہے۔

۴۔ حکومت کو توجہ دلائی جائے کہ سیول سروس جماعت کے جملہ پرچہ جات بہ استثنائے پرچہ جات انگریزی و ترجمہ زبان اُردو میں مرتب ہوا کرے اور منجملہ تین سوالات زبانی کے دو سوالات اُردو میں کیے جائیں۔ زبان انگریزی کو قطعاً ذریعہ تعلیم نہ بنایا جائے۔

۵۔ زبان کی پرچار کے سلسلے میں معتمدین سرکار عالی و معتمد باب حکومت کے پاس وفود بھیجے جائیں۔

۶۔ اعلیٰحضرت اور صدر اعظم بہادر کے پاس رعایا کی جانب سے محضر روانہ کیے جائیں۔

۷۔ صدر المہام بہادر فینانس کو زبان اُردو کی نسبت توجہ دلائی جائے۔

۸۔ مدیران جراید کے پاس وفود روانہ کیے جائیں۔

۹۔ اخبارات میں اطلاعات و مقالات مسلسل روانہ کیے جائیں۔

کابینہ نے یہ سفارشات منظور کر لیے ہیں اور ذیلی کمیٹی ان کو روبہ عمل لانے میں مصروف ہے۔

کانفرنس | ۴۲ ۱۳ف کی کانفرنس طیلسانین عثمانیہ بہت کامیاب ثابت ہوئی، گو ڈرامے کے متعلق توقعات پورے نہیں ہوئے لیکن بحیثیت عمومی کانفرنس نے اچھا اثر قایم کیا ہے۔ کابینہ نے قرار دیا ہے کہ آیندہ کانفرنس طیلسانین عثمانیہ اورنگ آباد میں منعقد کی جائے، چنانچہ وہاں اس کے لیے کام ہو رہا ہے، توقع ہے کہ کانفرنس بہت کامیاب ثابت ہوگی۔

کتب خانہ | انجمن کے کتب خانے میں سرکاری مطبوعات کا کافی اضافہ ہو رہا ہے کابینہ نے مناسب متصور کیا کہ کتابوں سے استفادہ کے لیے قواعد مرتب کئے جائیں، چنانچہ یہ قواعد بعد ترتیب منظور ہو چکے ہیں کتب خانہ کا انتظام صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب کے سپرد کیا گیا ہے۔

انجمن کے لیے کو پریٹو انشورنس سوسائٹی کی ایجنسی حاصل کی گئی ہے، چنانچہ محمد کلیم الدین صاحب انصاری۔ افضل علی صاحب۔ شیخ حسین محرر انجمن۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی صاحب صدر انجمن نے انجمن کے توسط سے بیمہ کرایا ہے

محسوس ہوئی ہے کہ اس کام کو خوب پھیلایا جائے کہ اس سے انجمن کو آمدنی حاصل ہوتی ہے، چنانچہ اس کے کاروبار جناب رائے شنکرجی صاحب بی اے، ال ال بی کے سپرد کیے گئے ہیں۔

متفرق | اس ششماہی میں جدید (۱۳) ارکان نے شرکت کی اور اب انجمن کے جملہ ارکان کی تعداد (۲۰۲) ہے، سال حال ایک رکن دوامی کا اضافہ ہوا ہے۔ جناب صدر صاحب انجمن ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے جن کے ساتھ کام کرنے میں حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے اور جو اپنی سرگرمیوں اور انجمن کے کاروبار میں انہماک سے طیلسانی برادری کے لیے ایک مثال قائم کر رہے ہیں سب سے اول (صـ۵) روپیے عنایت فرمائے اور رکنیت دوامی قبول فرمائی ہے۔

حسابات کی تنقیح کے لیے کابینہ نے مولوی ذکی الدین صاحب صدیقی بی اے کو مقرر کیا ہے، موصوف تنقیح میں مصروف ہیں۔

کابینہ نے سال حال دفتر کے انتظام کو بدل دیا ہے، جز وقتی اہلکار برخواست کر دیے گئے ہیں اور ایک ہمہ وقتی محرر مقرر کر لیا گیا ہے اور نیز ایک ہمہ وقتی ملازم مقرر کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ توقع ہے کہ اس انتظام سے انجمن کے کاروبار میں مزید وسعت اور خوبی پیدا ہوگی اس عملہ سے معاشی کمیٹی اور عثمانیہ بلدی جماعت بھی اگر کام لینا چاہیں تو لے سکیں گے یہ انتظام کیا گیا ہے کہ مذکورہ جماعتوں سے عملہ کے مد میں رقمی امداد بھی حاصل ہو سکے۔ کابینہ نے بہتر کارکردگی کے مدنظر ملازموں کی رخصت کے متعلق مستقل قواعد منظور کیے ہیں تاکہ کام میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔ دفتر کے لیے ایک ٹایپ رٹیر کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

کابینہ نے کام کے بعجلت انجام پانے کے مدنظر مدات صادر طباعت ٹکٹ ٹپہ کے اندر خرچ کرنے کا اختیار معتمد کے سپرد کر دیا ہے۔

سرکار میں جو تحریکات زیر دوران ہیں ان کے متعلق مراسلت جاری ہے سال حال جامعۂ عثمانیہ نے ایمبرج کی ڈگری کے قواعد منظور کر لیے ہیں جس کے متعلق کانفرنس میں تحریک منظور ہوئی تھی طیلسانئین جامعہ عثمانیہ کو مجلس رفقا میں راست حق انتخاب ملنے کے لیے عرصے سے کارروائی جاری ہے اب اطلاع ملی ہے کہ جامعہ کے لیے جدید منشور زیر منظوری ہے اس کی تکمیل پر یہ حق حاصل ہو سکے گا۔

دفاتر سرکاری میں ابتدائی گریڈ پر طیلسانئین کے تقرر کی صورت میں زاید ابتدائی یافت جو مقرر کی گئی ہے اس میں مزید توسیع عمل میں لانے کی نسبت کارروائی جاری ہے۔

"انجمن طیلسانئین عثمانیہ ہمارے قابلِ فخر جامعہ کے فرزندوں کو ایک جا جمع کرنے کی مبارک سعی میں مصروف ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فرزندانِ جامعہ کو اپنی اس انجمن کے ذریعے ایک جگہ جمع ہو کر ملک کی ترقی اور ملک کی خدمت کے مسایل سوچنے اور ان پر عمل کرنے کے مواقع حاصل ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گو آپ کی انجمن قایم ہوئے چند ہی سال ہوئے ہیں لیکن اس نے اب تک بہت کچھ ٹھوس تعمیری کام انجام دیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کی کانفرنس ملک کے تعلیم یافتہ طبقے کی نمایندگی کرتی ہے جس سے ملک کو بڑی بڑی توقعات جایز طور پر وابستہ ہیں۔"

یہ وہ ہمت آفریں الفاظ ہیں جو عالی جناب نواب سر صدر اعظم بہادر نے طیلسانئین عثمانیہ کی چھٹی کانفرنس کا افتتاح فرماتے ہوئے ارشاد فرمائے۔ انجمن ابتدائے قیام سے جس طرح بھی بن آیا ملک کی ترقی کے لیے ہمہ تن کوشاں اور طیلسانئین کی برادری میں جذبۂ خدمت پیدا کرنے میں مصروفِ عمل ہے۔ اور اب یہ کہنا خود ستائی نہیں ہے کہ ملک کے عام قومی اداروں کی صف میں انجمن کے لیے مناسب جگہ حاصل ہوگئی ہے لیکن باوجود اس کے یہ بھی کہنا ایک حقیقت ہے کہ ابھی بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ آج دُنیا کے ہر حصے میں ایک برق آسا سرگرمی نمایاں ہے۔ قومیں ترقی کے منازل اس سرعت سے طے کر رہی ہیں کہ پیش روی کی ساری روئیدادیں افسانہ ہوتی جارہی ہیں۔ حیدرآباد میں کام کرنے اور اس سے اچھے نتایج حاصل کرنے کے بیسیوں مواقع حاصل ہیں۔ کامیابی کی بڑی بڑی وسعتیں نظر کے سامنے موجود ہیں۔ ضرورت ہے کہ طیلسانی برادری اپنی توجہ بڑھائے اور دام اور قدم کی اعانت میں ذرا تیزروی دکھائے ع

"کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں"

سالِ حال یہ اندیشہ ہے کہ مثل سال ہائے گذشتہ انجمن کا مالیہ متوازن نہ رہے گا کیونکہ متعدد اُمور کی انجام دہی پیشِ نظر ہے۔ سالِ حال اگر انجمن کی برادری صرف اپنا سالانہ چندہ اور گذشتہ بقایا ادا فرمائے تو انجمن کی ساری مشکلات حل ہوجائیں گی۔ نیز یہ کہ ہر رکن انجمن صرف مزید ایک رکن کے اضافے کی کوشش عمل میں لائے۔

<u>خاتمہ</u> انجمن کے کاروبار کے چھ ماہ کی یہ ایک مختصر روئیداد ہے۔ اس چھ ماہ کے عرصے میں دفتری طور سے جو کام انجام پایا ہے اور جو مراسلت ہوئی ہے اور رکابینہ نے کئی گھنٹے جو کام کیا اس کی تفصیلات بہت طویل ہوجائیں گی۔

مختصر یہ ہے کہ کام کرنے اور اس سے اچھے نتایج حاصل کرنے کا ایک سنہری موقع ہمیں حاصل ہے کامیابی کی بڑی بڑی وسعتیں اپنا دامن پھیلائے پڑی ہیں، ضرورت صرف یہ ہے کہ ہماری طیلسانی برادری اپنی توجہ بڑھائے اور درم وقدم کی اعانت میں ذرا تیزی بتائے۔

محمد غوث معتمد انجمن

رپورٹ عثمانیہ بلدی جماعت

بابتہ سنہ ۱۳۴۷ف

عثمانیہ بلدی جماعت انجمن طیلسانئین عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ایک ملحقہ نظام ہے جس نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز موجودہ قانون بلدیہ کے نفاذ سے قبل ہی سے کردیا تھا۔ قانون بلدیہ کے نفاذ سے دکن میں پہلی بار عام انتخابات کے اصول پر ارکان منتخب کیے جانے لگے۔

عثمانیہ بلدی جماعت کی ابتدا، آواخر سال سنہ ۱۳۴۴ف میں ہوئی۔ اس جماعت کے ابتداء ہی سے یہ اساسی اصول پیش نظر تھا کہ جماعت بندی کے اصول پر کام کیا جائے۔ اس جماعت نے اپنے اغراض ومقاصد حسب ذیل قرار دیے:۔

الف۔ جو رقبہ حدود بلدیہ حیدرآباد میں شامل ہے اس کی بہبودی کی ہر ممکن کوشش کرنا۔

ب۔ اس رقبے کے حفظان صحت کے لیے ہر قسم کی ممکنہ جدوجہد کرنا۔

ج۔ اس امر کی کوشش کرنا کہ بلدیے کا مالیہ مستحکم ہو، اور غیر ضروری محاصل کا بار عاید نہ ہو۔

د۔ حتی الامکان بلدہ فرخندہ بنیاد کی صفائی، آب رسانی۔ روشنی۔ ڈرینج اور محلوں اور سڑکوں کی ترتیب تنظیم اور اسی قسم کے دوسرے بلدی معاملات میں حیدرآباد کو اعلیٰ ترین معیار پہ لانے کی کوشش کرنا۔

ھ۔ حیدرآباد کے شہریوں میں اپنے بلدی حقوق اور ذمہ داریوں کا صحیح احساس وشعور پیدا کرنا۔

و۔ بلدی انتخابات میں حصہ لینا۔

حیدرآبادی پبلک خصوصاً نوجوانانِ مُلک میں بلدی فرائض کا احساس جس سرعت سے ترقی پذیر رفتار پر ہے یہ مُلک کے لیے ایک خوش آیند فال ہے۔ آج سے چند سال قبل بلدی اُمور سے کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہ کیا جاتا تھا مگر

آج حالات کی رفتار جداگانہ ہے۔ ملک میں ایک عام بیداری کی روح موجزن ہے۔ بلدی امور اور بلدی معاملات سے پبلک کو ایک خاص دلچسپی پیدا ہوگئی ہے اور یقیناً عثمانیہ بلدی جماعت کی کوششوں کا نتیجہ ہے عثمانیہ بلدی جماعت ہی حیدرآباد دکن کا وہ واحد ادارہ ہے جو شہریوں کی خدمت گزاری اور شہریوں میں اپنے بلدی حقوق اور ذمہ داریوں کا صحیح احساس پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ موقع نہیں ہے کہ اس کی ساری بلدی کارگزاریوں کی تفصیل بیان کی جائے، لیکن مختصراً کارگزاریوں کی رپورٹ حسب ذیل ہے:۔

عثمانیہ بلدی کانفرنس بابتہ ۱۳۴۷ھ ف

عثمانیہ بلدی جماعت کی دوسری سالانہ کانفرنس بہ صدارت عالی جناب راجہ بہادر بشیشر ناتھ صاحب رکن عدالت عالیہ بہ مقام ریڈی ودیالہ ہاسٹل بتواریخ ۲۸ ر ۲۹ ر ۳۰ ر تیر ۱۳۴۷ف منعقد ہوئی۔ کانفرنس ہال پبلک اور مہمانوں سے بھرا ہوا تھا! ارکان بلدیہ اور دیگر ممتاز اصحاب نے شرکت کی جناب راجہ گرو داس صاحب بی اے ال ال بی (عثمانیہ) صدر استقبالیہ نے اپنا خطبہ سنایا اور حاضرین کا خیر مقدم کیا۔

خطبۂ صدارت کے اختتام پر تحریک اظہارِ عقیدت بالاتفاق کھڑے ہو کر منظور کی گئی، اس کے بعد رایٹ آنریبل عالی جناب نواب سر اکبر حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت۔ ہز اکسلنسی عالی جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین سلطنت۔ نواب میر اکبر علی خاں صاحب بی اے (عثمانیہ) بار ایٹ لا مسٹر رنگا ریڈی صاحب رکن مجلس وضع قوانین۔ مولوی کلیم الدین صاحب انصاری بی اے ال ال بی صدر انجمن طیلسانئین عثمانیہ مسٹر ایل۔ این گپتا صاحب کے بیانات پڑھ کر سنانے کے بعد مولوی عبدالحلیم بیگ صاحب معتمد عثمانیہ بلدی جماعت نے اپنی مطبوعہ دلچسپ رپورٹ عثمانیہ بلدی جماعت کی کارگزاریوں کی نسبت سامعین کے گوش گذار کی۔

رپورٹ کے ختم ہونے پر مولوی محمد فاروق صاحب بی اے (عثمانیہ) ایچ سی ایس مددگار ناظم بلدیہ نے "بلدیہ اور سالِ رواں" پر ایک تقریر کی جس میں موجودہ ناظم صاحب بلدیہ کے حسنِ انتظام کا ذکر کیا گیا اور مختلف اسکیمیں جو اس وقت بلدیہ کے زیرِ غور ہیں ان پر کافی روشنی ڈالی۔

اس تقریر کے اختتام پر ڈاکٹر مرزا حسن بیگ صاحب مددگار پبلک آفیسر بلدہ نے بہ ذریعہ طلسمی فانوس تقریر کی، اس کے بعد پہلا اجلاس ختم ہوا۔

دوسرے دن یعنے ۲۹ ر تیر ۱۳۴۷ف کو مطاہرہ جہاز و ب کشتی کوچہ گلباغ میں ہوا، اور (۸) بجے صبح سے کانفرنس کے دوسرے اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔ چند تحریکات پیش ہوئیں اور ڈاکٹر مقبول علی صاحب بی اے (عثمانیہ)

سیول سرجن بلدہ نے فرسٹ امڈ پر اور مولوی عبدالغفار بیگ صاحب ونٹری سرجن نے غذا اور صحت عامہ پر اپنی پُر از معلومات تقاریر کیں۔ اس دوران میں نمایش سواریہائے کرایہ وجانوران بھی انجام کو پہنچی۔

تیسرا اجلاس ۲۹ رتیر ۱۳۴۷ف کو شام کے پانچ بجے منعقد ہوا۔ بقیہ تحریکات پیش ہوئیں اور جناب پنڈت بی۔ ین چوبے صاحب بی اے ال ال بی وکیل بلدیہ اور بلدی جماعت پر اور مولوی لئیق احمد صاحب نعمانی معتمد انجمن طلبہ طبیہ نے "طب یونانی" پر بسیط تقاریر کیں اور ملیریا آفیسر صاحب نے میجک لنٹرن کے ذریعے مرض ملیریا کے متعلق حفظانی تدابیر اختیار کرنے کے لیے معلومات بہم پہنچائے۔

چوتھا اور آخری اجلاس تیسرے دن ۳۰ رتیر ۱۳۴۷ف کو شام میں (۴ ½) بجے شروع ہوا۔ نمایش اطفال اور فوٹو ہوئی۔ نواب مہدی نواز جنگ بہادر ناظم بلدیہ نے شہری اخلاق و فرائض وغیرہ پر، مولوی سید عسکری حسن صاحب اسیسر بلدیہ نے بلدی ٹکس پر، مولوی عبدالحلیم بیگ صاحب معتمد عثمانیہ بلدی جماعت نے کچھ ہمارے اور کچھ بلدیے کے فرائض پر، اور مسز ہمایوں مرزا صاحبہ نے صفائی پر تقاریر کیں۔

اس کے بعد طوطیٔ ہند مسز سروجنی نایڈو نے باوجود ناسازیٔ طبع کے بلدی امور سے متعلق اپنی شیریں زبان میں تقریر کی اور شہریوں کو بلدی اغراض و مقاصد اور ذمہ داریوں سے واقف کراتے ہوئے نصیحت دی۔

بعد اختتام تقریر مسز سروجنی نے انعامات تقسیم فرمائے۔ پس کانفرنس کا یہ آخری اجلاس صدر کی اختتامی تقریر اور معتمد کانفرنس کے شکریے کے بعد اختتام کو پہنچا۔

ضروری امور جو کانفرنس میں رکھے گئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

نمایش | نمایش مصنوعات بلدہ، آرایش بلدہ، مصنوعات محبس، محکمۂ برقی، کارخانہ بید بافی، ریاض اسلام فیاکٹری، کارخانۂ صندل، سگریٹ فیاکٹری، دکن بٹن فیاکٹری، دکن سن شیڈ کمپنی، مصنوعات کارخانہ پریم جی لال جی صاحب حیدرآباد ائرن اینڈ اسٹیل ورکس کمپنی، انٹرنیشنل ریڈیو کمپنی، سینیٹری انجینرس وغیرہ۔

اس نمایش کی غرض وغایت یہ تھی کہ شہریوں کو حفظانِ صحت سے متعلق نہ صرف معلومات بہم پہنچائے جائیں بلکہ ان کی معاشی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ حفظانِ صحت سے متعلق نمایش کے ذریعے جہاں عوام کو کافی معلومات ہوئیں وہاں مصنوعات سے متعلق اداروں کو نہ صرف فایدہ ہوا بلکہ عوام بھی ایک خاص قسم کے خیالات ان صنعتوں کے متعلق اپنے ساتھ لے گئے۔

نمایش سواری ہائے کرایہ وجانوران | اس نمایش کی کامیابی کا انحصار محکمۂ بلدیہ پر ہے، اور کانفرنس نے

(۱۹) انعامات تقسیم کیے۔

نمائش اطفال اس کے انتظامات جناب پنڈت پریم جی لال جی صاحب و جناب پنڈت شنکر جی صاحب بی اے کے سپرد تھے جس کو صاحبان موصوف نے اچھے پیمانے پر کیا۔ کانفرنس کی جانب سے بچوں کو (۱۱) انعامات کے علاوہ تو ال۔ صابون اور کھلونے بھی دیے گئے اور فوٹو بھی لی گئی۔

مظاہرۂ جاروب کشی اس کانفرنس کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ حیدرآباد کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اس تقریب کے موقع پر مظاہرۂ جاروب کشی ترتیب دیا گیا جس میں ارکانِ بلدیہ منجانب جماعت ہذا جناب ناظم صاحب بلدیہ اور ارکان عثمانیہ بلدی جماعت نے عملاً حصہ لیا جس کا عوام پر ایک اچھا اثر مترتب ہوا۔

ڈنر دوسری نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس تقریب میں شہریوں کا ایک پُر تکلف ڈنر ترتیب دیا گیا جس میں ہندو مسلم دونوں اصحاب نے شرکت کی۔ اس ڈنر کی کامیابی کا سہرا مولوی غلام محمد خاں صاحب ایم اے رکن بلدیہ کے سر ہے۔

عثمانیہ بلدی جماعت اور ۱۳۴۸ف ختم سال ۱۳۴۷ف پر انتخابات سال حال کے لیے ایک کاروباری جلسۂ عام بہ تاریخ ۳۰ر آبان ۱۳۴۷ف منعقد ہوا جس میں خفیہ رائے دہی کے ذریعے حسب ذیل مجلس عاملہ کی تشکیل عمل میں آئی۔

صدر۔ جناب مولوی غلام مصطفےٰ خاں صاحب مددگار باب حکومت سرکار عالی و رکن بلدیہ

معتمد۔ محمد کرامت علی صاحب بی اے (عثمانیہ)

شریک معتمد۔ جناب مولوی قدرت اللہ بیگ صاحب ایم اے (عثمانیہ)

ارکان جناب نواب میر اکبر علی خاں صاحب بی اے۔ بار ایٹ لا۔ رکن بلدیہ

۲۔ جناب نواب میر احمد علی خاں صاحب ایم اے۔ ال ال بی (عثمانیہ) رکن بلدیہ

۳۔ جناب پنڈت پریم جی لال جی صاحب۔ رکن بلدیہ

۴۔ جناب مولوی غلام محمد خاں صاحب یم اے (عثمانیہ) رکن بلدیہ

۵۔ جناب پنڈت گنڈے راؤ صاحب ہرو الکر بی اے۔ ال ال بی (عثمانیہ) رکن بلدیہ

۶۔ جناب پنڈت سریدھر وامن نایک صاحب بار ایٹ لا۔ رکن بلدیہ

۷۔ جناب صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب بی اے۔ ال ال بی (عثمانیہ)

۸۔ جناب نواب خواجہ سردار اللہ خاں صاحب جاگیردار

۹۔ جناب مولوی محمد غوث صاحب ایم اے۔ ال ال بی (عثمانیہ)

۱۰۔ جناب مولوی ابو الخیر صاحب صدیقی بی ایس سی (عثمانیہ)

۱۱۔ جناب مولوی عبد السمیع احمد صاحب

۱۲۔ جناب رائے مدن موہن لال صاحب بی اے۔ ال ال بی وکیل ہائیکورٹ

۱۳۔ جناب مولوی میر محمود علی خاں صاحب میر محلہ اعزازی

۱۴۔ جناب حکیم رائے دوارکا پرشاد صاحب میر محلہ اعزازی

قواعد جماعت ہذا کے دفعہ ۱۰ میں حسب ذیل ضمن ۵ کا اضافہ بہ الفاظ ذیل کیا گیا کہ جماعت :۔

سال گذشتہ کا صدر اگر وہ عام انتخابات میں کسی عہدہ کے لیے منتخب نہ ہو سکے تو

سال آیندہ کے لیے وہ خود بہ خود رکن مجلس عاملہ متصور ہوگا۔"

اس ترمیم کے بعد جناب رائے راجہ گرو داس صاحب بی اے۔ ال ال بی (عثمانیہ) سابق صدر جماعت ہذا کا اضافہ عمل میں آیا۔

مسئلۂ انتخابات بلدیہ | سال حال مجلس عاملہ نے یہ تصفیہ کیا کہ اس مسئلے کو جماعتی سوال پارٹی کویسشن) نہ بنایا جائے۔ اس لیے جماعت ہذا نے اپنا کوئی امیدوار پیش نہیں کیا۔

سہ سالہ نظام نامہ | عثمانیہ بلدی جماعت کی جانب سے جو امیدوار صاحبان مجلس بلدیہ کی رکنیت کے لیے پیش کیے گئے تھے انھوں نے ایک خاص سہ سالہ نظام نامہ پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ فرمایا تھا۔ سہ سالہ نظام نامہ عثمانیہ بلدی جماعت میں ہماری ایک نمایاں تحریک منجانب بلدیہ مدارس شبینہ کے قیام کے متعلق تھی۔ گذشتہ رپورٹ میں بتلایا گیا تھا کہ مجلس بلدیہ نے اس مسئلے کے متعلق رپورٹ پیش کرنے کے لیے ایک کمیٹی کا تقرر کیا تھا۔ اس دوران میں کمیٹی نے جناب ناظم صاحب تعلیمات سرکار عالی کے فراہم کردہ مواد کو پیش نظر رکھ کر مجلس بلدیہ میں قیام مدارس شبینہ کی ایک اسکیم پیش کی۔ مجلس بلدیہ نے اس اسکیم کو منظور کرتے ہوئے ہر حلقے میں فی الحال ایک ایک شبینہ مدرسہ قایم کرنے کی منظوری دی، اور انتظامات کے لیے نایب میر مجلس بلدیہ، ناظم صاحب بلدیہ، رکن حلقہ و ناظم صاحب تعلیمات پر مشتمل ایک بورڈ قایم کر دیا گیا ہے۔ رقم ۳۴۲ف کے موازنے میں شریک ہو چکی ہے اور مدارس کا قیام عنقریب عمل میں آجائے گا۔

تحریک نمبر (۲) یعنے بلدی حلقوں کی ترتیب جدید کے متعلق تحریک ناظم صاحب بلدیہ کی رپورٹ

بہ توسط سب کمیٹی مشاورتی ابھی مجلس بلدیہ میں پیش نہیں ہوئی ہے۔ کارروائی میں عجلت کے لیے توجہ دلائی جارہی ہے۔

تحریک نمبر ۳۔ انسداد امراض سے متعلق صحت کمیٹی پورے انہماک کے ساتھ کام کررہی ہے اور سررشتۂ طبابت سرکارعالی کا اتحادِ عمل بھی صحت کمیٹی کے پیش نظر ہے۔

تحریک نمبر ۴۔ اس سلسلے میں امراض کی روک تھام کے لیے نشرواشاعت کی ضرورت مجلسِ بلدیہ نے محسوس کرکے نشرواشاعت کے لیے موازنۂ سال حال میں رقم محفوظ کی ہے۔

تحریک نمبر ۵۔ یونانی وایورویدک دواؤں کے استعمال کے سلسلے میں صحت کمیٹی نے ایک تفصیلی اسکیم مجلسِ بلدیہ میں پیش کی ہے مجلس نے اسکیم کو منظور کرلیا ہے، موازنۂ سال حال میں گنجائش نہ نکل سکنے کی وجہ سے فی الحال اس کا نفاذ معرض التوا میں ہے۔

تحریک نمبر ۶۔ بلدیے کے ملازمینِ ادنیٰ کے حالات کو بہتر بنانے میں بلدیہ ممکنہ کوشش کررہی ہے ان کی تنخواہوں میں اضافے کی تجویز زیرِ غور ہے ان کے لیے بہتر امکنہ اور دیگر سہولتوں کے متعلق بھی ضروری کارروائی جاری ہے۔

تحریک نمبر ۷۔ مجلس بلدیہ کی قانونی کمیٹی نے ہوٹلوں اور چائے خانوں کے متعلق ضروری قواعد مرتب کردیے ہیں اور مجلسِ بلدیہ نے ان کو منظور بھی کرلیا ہے، یہ قواعد زیرِ منظوری سرکارعالی ہیں۔

تحریک نمبر ۸۔ کرایہ کی سواریوں کی دیکھ بھال اور ان کی خاطرخواہ اصلاح کے متعلق جناب ناظم صاحب بلدیہ کو مناسب انتظام عمل میں لانے کے لیے بلدیہ نے توجہ دلائی تھی، لیکن ابھی ان میں کوئی اصلاح نہیں ہوئی اور نہ کافی طور پر دیکھ بھال ہوتی ہے۔ ناظم صاحب بلدیہ اس کے متعلق خاص دلچسپی لیں تو ایک دیرینہ شکایت رفع ہوگی۔

تحریک نمبر ۹۔ دفتری کاروبار میں غیرضروری تعویق نہ پیدا ہونے کے متعلق ناظم صاحب بلدیہ کی مزید توجہ کی ضرورت ہے۔

تحریک نمبر ۱۰۔ انسدادِ گداگری کے متعلق ناظم صاحب بلدیہ کی تجاویز کو بلدیے نے منظور کرلیا ہے جس میں لاٹری یا پائی فنڈ وغیرہ داخل ہیں۔ امید ہے کہ عنقریب اس کے متعلق ضروری کارروائی شروع ہوجائے گی۔

تحریک نمبر ۱۱۔ ضروریاتِ بلدیہ میں مصنوعاتِ ملکی کے استعمال سے متعلق بلدیے کی توجہ مبذول ہے

لیکن سختی سے اس کی پابندی نہیں ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سلسلے میں مزید توجہ کی جائے۔

تحریک نمبر ۱۲۔ انتخابی بدعنوانیوں اور بے ضابطگیوں کے انسداد کے متعلق قانونی کمیٹی کی رائے مجلس بلدیہ نے طلب کی تھی جو ابھی وصول نہیں ہوئی۔

تحریک نمبر ۱۳۔ قابلیت رائے دہندگی میں توسیع کے مسئلے میں قانونی کمیٹی کی رائے بھی عدم وصول ہے۔

تحریک نمبر ۱۴۔ مجلس قایمہ میں الونس کی مسدودی کو مجلس بلدیہ نے منظور کرلیا ہے۔ یہ مسئلہ ابھی سرکار عالی کے زیر منظوری ہے۔

تحریک نمبر ۱۵۔ ٹیکس تفریحات کے قیام کے متعلق قانونی کمیٹی کی رپورٹ وصول ہونے پر مجلس بلدیہ نے متعدد تفریحی ٹیکسوں کی منظوری دی ہے جو ابھی زیر منظوری سرکار عالی ہے۔

تحریک نمبر ۱۶۔ قانون میر محلگان کے متعلق ابھی قانونی کمیٹی کی رائے مجلس بلدیہ میں وصول نہیں ہوئی ہے۔

تحریک نمبر ۱۷۔ تعمیر مکانات کی اجازتی چٹھی سابق کی طرح غیر معمولی تعویق سے تو نہیں مل رہی ہے مگر پھر بھی اس میں غیر ضروری تاخیر ہو جایا کرتی ہے۔ مزید سہولت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

سہ سالہ نظام نامے کے علاوہ اراکین بلدیہ منجانب عثمانیہ بلدی جماعت نے حسب ذیل مفید و اہم تحریکات اپنے اپنے متعلقہ حلقہ جات کی اصلاح اور دیگر شہری ضرورتوں میں پیش فرمائیں:-

۱۔ تحریکات نواب میر احمد علی خاں صاحب ایم اے۔ ال ال بی (عثمانیہ) رکن بلدیہ حلقۂ دوم اندرون:-

۱۔ نسبت تعمیر موری کوچہ ایشونت راؤ اندرون لال دروازہ

۲۔ تنصیب جالیاں بر موری کوچۂ اندھیری باؤلی

۳۔ تہ اندازی کوچۂ اندھیری باؤلی

۴۔ مورم اندازی سڑک پائے سلطان شاہی

۵۔ تعمیری موری احاطۂ مبارز الدولہ

۶۔ تعمیری موری پولا کوٹم لال دروازہ

۷۔ تعمیر موری مسجد شکر سلطان شاہی

۸۔ تنصیب برقی روشنی فٹنگ مغربی دایرۂ حضرت میر مومن صاحب قبلہؒ

۹۔ نسبت تنصیب جالیاں بر موریاں سلطان شاہی

۱۰۔ نسبت تکمیل موری عابد یار جنگ مرحوم مغل پورہ

۱۱۔ تنصیب جالیاں موریاں سڑک ہائے مسجد مولوی مظہر صاحب

۱۲۔ تعمیر پیشاب خانہ مدرسہ تحتانیہ سلطان شاہی

۱۳۔ درستی و اصلاح پلے گراؤنڈ سلطان شاہی وغیرہ

۱۴۔ تعمیر موری مُراد محلہ

۱۵۔ نسبت تنصیب برقی روشنی رام بخش بنڈہ

۴۔ تحریکات مولوی غلام محمد خاں صاحب ایم اے (عثمانیہ) رکن بلدیہ حلقۂ اول بیرون :۔

۱۔ نسبت تبدیلی نام النفسٹ برج

۲۔ اجرائی رسالہ ماہوار موسوم بہ بلدیہ

۳۔ سینما وغیرہ کے بورڈ آف سنسر میں بلدیہ کے نمائندے کی شرکت

۴۔ حوالگی محکمہ جات برقی و ٹیلیفون و آب رسانی بہ محکمہ بلدیہ

۵۔ نسبت توسیع نیا پل

۶۔ انتظام کشتی رانی بہ رودِ موسیٰ

۷۔ نسبت مسدودی مینٹی شو۔

۸۔ انتظام برقی روشنی حلقۂ اول بیرون

۹۔ نسبت انسداد وصول کم فی صد ٹنڈر

۱۰۔ حدود بلدیہ میں پبلک فون کے مراکز کا قیام

۱۱۔ بلدیہ کے صدر کے لیے ایک مخصوص گون کا استعمال ضروری ہے

۱۲۔ آرائشِ بلدہ کی نئی آبادیوں میں تقریب گھر کی

۱۳۔ حدود بلدیہ سے گولیوں کی اور بیرون بلدہ دودھ گھروں کا قیام

۱۴۔ دھوبیوں کو موریوں کے پانی کے استعمال سے بچایا جائے

۱۵۔ شہر کی سڑکوں گلی کوچوں اور پارک وغیرہ کو اکابر ملک کے نام سے موسوم کیا جائے

۱۶۔ نسبت انہدام فصیل قدیم شہر

۳۔ تحریک پنڈت گنڈے راؤ صاحب ہرواڑکر بی اے۔ ال ال بی۔ رکن بلدیہ حلقۂ دوم بیرون

۱۔ نسبت رفع خرابیاں سمت دوم بیرون

۴۔ تحریک مولوی سید محمد علی صاحب موسوی رکن حلقۂ اول اندرون

۱۔ نسبت اصلاح مسالخ وغیرہ

۵۔ تحریک مولوی شاہ عالم خاں صاحب رکن حلقۂ چہارم اندرون

۱۔ اضافہ تنخواہ عملۂ کنزروینسی

۶۔ تحریک پنڈت سریدھر نایک صاحب رکن بلدیہ

۱۔ نسبت تیام نل جدید عقب کملمنڈی

۷۔ تحریکات مولوی غلام مصطفےٰ صاحب رکن حلقۂ (الف)

۱۔ تعمیر سڑک ہائے انظم جاہی و معظم جاہی وغیرہ و تعمیر بدررو چلکل گوڑہ وغیرہ

۲۔ نسبت شکستگی کنٹہ چلکل گوڑہ

۳۔ تنصیب درختان ہر دو جانب سڑک ہائے حلقۂ (الف)

۴۔ نسبت تیاری سڑک عنبرپیٹھ تا مدصفائی بہ ذریعۂ سمنٹ و تعمیر بدررو ہائے محلہ کاچی گوڑہ وغیرہ

۵۔ نسبت اضافہ تنخواہ مزدور و مزدورنیاں

تنظیم حلقہ جات عثمانیہ بلدی جماعت کی کامیابی اور طاقت کا انحصار شاخہائے حلقہ جات کی تنظیم و کارکردگی پر منحصر ہے اس لیے ابتدا ہی سے مجلسِ عاملہ کے زیرِ غور شاخوں کی تنظیم جدید کا مسئلہ رہا ہے مجلسِ عاملہ کے ایک دیرینہ و نہایت سرگرم عمل رکن جناب صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب بی اے۔ ال ال بی کو اس سلسلے میں رپورٹ پیش کرنے کا مجاز گردانا گیا تھا موصوف کی رپورٹ پر غور کرنے کے بعد مجلسِ عاملہ نے تمام حلقہ جات کی شاخوں کی تشکیل جدید کردی ہے۔ اول بیرون دوم اندرون میں جماعت ہذا کا کام پورے انہماک و سرگرمی سے جاری ہے۔ امید ہے کہ دیگر حلقہ جات کے معتمدین و منتخب شدہ مجالس عاملہ اپنے اپنے حلقہ جات کے صدر صاحبان کے ساتھ اشتراکِ عمل کرکے جماعت کے مقاصد کو آگے

بڑھائیں گے۔ اِس کے علاوہ آئندہ ہر ماہ کی کسی خاص تاریخ کو جملہ شاخوں کے معتمد صاحبان کی ایک میٹنگ مقرر کیے جانے کے انتظامات کیے گئے ہیں تاکہ اس سلسلے میں مفید مشورے ملتے رہیں اور باہمی تبادلہ خیال عمل میں آتا رہے۔

تعداد ارکان ہر جماعت کی قوت کا انحصار اس کے اراکین کی عددی قوت اور اس کے مالی استحکام پر مبنی ہے، ہمیشہ سے یہ اصول جماعت کے پیش نظر رہا ہے اور ہر سال اراکین کی تعداد (۷۰۰) سے زاید ہے، اور گذشتہ کانفرنس کے بعد سے تقریباً (۲۵۰) اراکین کا اضافہ عمل میں آیا ہے، آئیندہ اس کام میں مزید توجہ مبذول کی جائے گی۔ اس موقع پر حلقۂ دوم اندرون کا ذکر خاص طور پر ضروری ہے، جہاں کافی اراکین کا اضافہ عمل میں آیا۔

نواب میر احمد علی خاں صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی رکن بلدیہ و صدر حلقہ نواب خواجہ سردار اللہ خاں صاحب معتمد حلقہ، مولوی خواجہ سیف الدین صاحب شریک معتمد، مولوی عبدالسمیع احمد صاحب معتمد حلقۂ سوم مولوی شیخ محمد صاحب قریشی معتمد حصۂ چہارم کی کوششیں خاص طور پر قابلِ داد ہیں۔ اس کے علاوہ حلقۂ اول اندرون میں مولوی مرزا قدرت اللہ بیگ صاحب ایم اے (عثمانیہ) رکن بلدیہ و صدر حلقہ اور مولوی سید شہاب الدین صاحب معتمد حلقہ نے اس طرف خاص توجہ مبذول فرمائی اور ان حلقہ جات میں اپنی مسلسل کوشش و سرگرمی سے اراکین کی تعداد قابلِ لحاظ حد تک ترقی کرگئی مگر اس سلسلے میں بہت کچھ کام باقی ہے، بقیہ حلقہ جات کے صدر و معتمد صاحبان سے توقع ہے کہ آئندہ اس سلسلے میں کامیاب قدم اُٹھایا جائے گا۔

سب کمیٹی برائے تشکیل قواعد پارٹی ڈسپلن مجلس بلدیہ یوں تو انتخابات کے بعد ہی سے اراکین بلدیہ منجانب عثمانیہ بلدی جماعت نے جماعت ہذا کے سہ سالہ نظام نامے کی تکمیل میں سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتے رہے ہیں، لیکن بلدیے کے اندر کام پارٹی سسٹم (Party System) پر نہ ہونے کی وجہ سے ایک کمزوری محسوس کی جارہی تھی۔ ابتدائے سال ہی سے مجلسِ عاملہ نے اس جانب خاص توجہ کی اور مولوی محمد غوث صاحب ایم اے۔ ایل ایل بی کی تحریک پر ایک سب کمیٹی جو حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہے پارٹی کے اصول و قواعد کو منضبط کرنے کے لیے تشکیل دی گئی ہے:۔

۱۔ جناب مولوی غلام مصطفےٰ خاں صاحب صدر جماعت و رکن بلدیہ

۲۔ جناب نواب میر احمد علی خاں صاحب ایم اے۔ ال ال بی رکن بلدیہ

۳۔ جناب پنڈت پریم جی لال جی صاحب رکن بلدیہ

۴۔ جناب صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب بی اے۔ ال ال بی

۵۔ مولوی محمد غوث صاحب ایم اے۔ ال ال بی

یہ کمیٹی مصروفِ عمل ہے اور عنقریب اس کی رپورٹ مجلس عاملہ میں بہ غرض منظوری پیش کردی جائے گی۔

کمیٹی ارکان بلدیہ منجانب عثمانیہ بلدی جماعت منظوری تو ا مدتک فی الحال ایک کمیٹی اراکین بلدیہ منجانب عثمانیہ بلدی جماعت تشکیل دی گئی ہے جس کے معتمد مولوی غلام محمد خاں صاحب ایم اے (عثمانیہ) اور شریک معتمد نواب میر احمد علی خاں صاحب ایم اے۔ ال ال بی (عثمانیہ) مقرر کیے گئے ہیں اس کمیٹی کا مقصد یہ ہے کہ بلدیے کے اندر اراکین جماعت ہذا میں ڈسپلن وہم آہنگی قایم رہے۔

یہ کمیٹی اچھے اصول پر کام کر رہی ہے اب عام طور پر بلدیے کے ہر ایک مسئلے کو جماعتی اصول کی حیثیت دی جاتی ہے جس پر تمام ارکان مشترکہ غور کے بعد بلدیے کے اندر متفقہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔

عطیہ سال حال نواب میر احمد علی خاں صاحب ایم اے۔ ال ال بی رکن بلدیہ نے مبلغ (عـ) روپیے کا عطیہ مرحمت فرمایا جس کی جماعت ہذا مشکور رہے۔

رپورٹ ختم کرنے سے پہلے میں اپنے معاونین خصوصاً نواب میر احمد علی خاں صاحب و نواب خواجہ سردار اللہ خاں صاحب و صاحبزادہ میر وزیر علی خاں صاحب و مولوی مرزا قدرت اللہ بیگ صاحب و مولوی عبدالسمیع احمد صاحب اراکین مجلس عاملہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان حضرات نے اپنے مفید و پُر خلوص مشوروں سے میری ہر وقت مدد فرمائی۔

دعا اب میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ بارگاہِ رب العزت میں اعلیحضرت بندگان عالی کی ترقی عمر و اقبال کے لیے دعا فرمائیں کہ ذات والاصفات کے دورِ ہمایونی میں بلا قید مذہب و ملت ہم نہایت ہی امن و آسایش کی زندگی بسر کرتے ہوئے یہ تیسری سالانہ بلدی کانفرنس منعقد کر رہے ہیں۔ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

محمد کرامت علی بی اے (عثمانیہ) معتمد عثمانیہ بلدی جماعت

دوسری نمائش مصنوعاتِ ملکی ممالکِ محروسۂ سرکارِ عالی کی تیاریاں

منجانب

معاشی کمیٹی انجمن طیلسانین عثمانیہ حیدرآباد دکن

گذشتہ ماہ آذر ۱۳۴۸ف کی کامیاب نمائش مصنوعاتِ ملکی کے مدِ نظر یہ تصفیہ کیا گیا ہے کہ اس مرتبہ نمائش ماہ بہمن ۱۳۴۹ف میں عظیم الشان طریقے پر منعقد کی جائے اس کے لیے ابھی سے شایانِ شان انتظامات عمل میں لائے جا رہے ہیں۔—

۱۔ حیدرآباد کے موسمی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موسم سرما میں ماہ بہمن کی ایسی تاریخوں میں اس کا انعقاد کیا جائے جبکہ ملک کے ہر گوشے سے کثیر تعداد میں صناع و تاجر اور منظرین شریک ہو سکیں اور انھیں بارش وغیرہ کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ امر بھی ملحوظ رکھا جائے کہ آئندہ ماہ بہمن ۱۳۴۹ف میں حیدرآباد میں جو متعدد آل انڈیا نوعیت کی کانفرنسیں منعقد ہو رہی ہیں اور ہندوستان کے مشاہیر و علماء اور دیگر نمایندے شرکت کی غرض سے آ رہے ہیں ان کو بھی حیدرآباد کی صنعتی ترقی اور مصنوعات سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملے۔

۲۔ اس مرتبہ نمائش میں ایسی اشیاء کا خاص طور پر مظاہرہ کیا جائے گا جو خاص اہتمام کے ساتھ نمائش کی غرض سے تیار کی گئی ہیں یا جو ممالک محروسہ سرکار عالی کی جدید ایجادات و اختراعات سے متعلق ہوں۔ اس ضمن میں صناعانِ ملک کو ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ وہ اپنے فن کا بہترین مظاہرہ کر کے انعامات حاصل کریں۔

۳۔ جدید اور پیمانہ کبیر کی صنعتوں کیلیے بھی علیحدہ علیحدہ شعبے مخصوص کیے جائینگے۔ پارچہ بافی کوئلہ لوہا سمنٹ شکر۔

کاغذ اور روغنیات کی ترقیات کیلیے علیحدہ اسٹال قایم کیے جائینگے۔

۴۔ صنعتی مظاہرں کا بھی بطور خاص انتظام کیا جائیگا۔ صنعتی کیمیا کی اہمیت و ترقی اور سائنس کے تجربوں سے عوام کو واقفیت پیدا کرانے

کیلیے کالجوں کے پروفیسر صاحبان اور سرکار عالی کے تجربہ خانوں کے افسروں سے تعاون حاصل کیا جائیگا۔ سائنس کے ایسے

تجربات کا مظاہرہ کیا جائیگا جن سے عوام اپنی صنعتی ترقی میں اس سے مستفید ہو سکیں۔

۵۔ علمی تجربوں کے علاوہ ماہرانِ فن کی عام فہم تقاریر کا بھی انتظام کیا جائیگا۔

۶۔ ملکی مصنوعات کو بیرون ملک کے افراد سے روشناس کرانے کیلیے ایسی تدابیر و سہولتیں بہم پہنچائی جائینگی جن کے ذریعے

بیرون ممالک محروسہ سرکار عالی کے تجار اور صناعوں کو بھی اس میں شرکت کی ترغیب ہو سکے، وہ یہاں کی مصنوعات

خرید کر ہندوستان میں ان کیلیے بازار فراہم کر سکیں۔

۷۔ نمایش کے انعقاد سے قبل معاشی کمیٹی کی جانب سے زبان اردو و انگریزی ایک نہایت شاندار صنعتی و تجارتی ڈائرکٹری شایع

کیجارہی ہے جو اپنی نوعیت کی پہلی اور جامع ڈائرکٹری ہوگی۔ اس ڈائرکٹری کا کتابچہ دس ہزار کی تعداد میں شایع کیا جائیگا جو

عوام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے تین چار ماہ کے اندر ڈائرکٹری طبع ہو جائیگی جو آیندہ نمایش کیلیے بطور گائیڈ کام دیگی۔

۸۔ اس نمایش کا پراسپکٹس اور دیگر تفصیلات زیر طبع ہیں اس وقت اعلان کا منشا یہ ہے کہ گذشتہ مرتبہ جن صناعوں نے اس میں حصہ لیا تھا وہ اور

دیگر صناع ابھی سے اس میں شرکت کیلیے مصنوعات کی تیاری شروع کردیں۔ ارباب حکومت اور عوام سے اس کی قوی

امید ہے کہ وہ گذشتہ کی طرح اس مرتبہ بھی معاشی کمیٹی کے ساتھ تعاون سے نمایش کو کامیاب بنائینگے۔

رپورٹ عثمانیہ بلدی جماعت حلقۂ دوم اندرون بابت ۴۷-۱۳۴۶ف

عثمانیہ بلدی جماعت حیدرآباد کا وہ واحد ادارہ ہے جو شہریوں کی خدمت گذاری اور شہریوں میں اپنے بلدی حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ موقع نہیں ہے کہ اس کی ساری بلدی کارگذاریوں کی تفصیل کا اظہار کیا جائے لیکن آپ سب حضرات یہ جانتے ہیں کہ اس کی کامیابی کا بڑا انحصار اس کی حلقہ واری اور حصہ داری شاخوں کی کارگذاری اور مستعدی پر ہے۔ اس موقع پر اس کی شاخ دوم اندرون کی کارگذاری کی مختصر کیفیت پیش کی جاتی ہے:

عہدہ داران و مجلس عاملہ

جماعت ہذا کی صدارت کے فرائض حسب دفعہ ۲۴ ضمن د قواعد عثمانیہ بلدی جماعت بہ حیثیت رکن بلدیہ حلقۂ ہذا نواب میر احمد علی خاں صاحب یم اے۔ ال ال بی جاگیردار نے انجام دیے اور دفعۂ مذکور کی ضمن ب کے تحت صدر مجلس عاملہ نے معتمدی کے لیے میرا تقرر فرمایا۔ جماعت ہذا کے جلسۂ عام بموجب ضمن ج مجلسِ عاملہ کی رکنیت کے لیے مولوی خواجہ سیف الدین صاحب۔ مولوی عبدالحلیم بیگ صاحب اور رائے رگھوبیر بلی صاحب بی اے (عثمانیہ) کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور مولوی محمد کرامت علی صاحب بی اے (عثمانیہ) اور رائے مانک راؤ صاحب کی نامزدگی مرکزی مجلسِ عاملہ کی جانب سے عمل میں آئی۔

جلسہ ہائے مجلسِ عاملہ

سالِ حال مجلسِ عاملہ کے جلسوں کی تعداد (۴) رہی جن میں جماعت ہذا کے کاروبار سے متعلق متعدد امور طے پائے۔

جلسہائے عام

سال حال جماعت کے دو جلسہ ہائے عام منعقد ہوئے۔ ایک اوائل سال میں ترتیب موازنے سے متعلق اور دوسرا آج کا جلسہ (۲۶ آبان ۱۳۴۷ف) رپورٹ کارگذاری کی سماعت اور انتخابات سال آیندہ سے متعلق۔

تعداد ارکان

ختم ۱۳۴۶ف پر جماعت ہذا کے ارکان کی تعداد (۶۸) تھی اور اب (۲۲۸) ہے۔ یہ امر ہمارے لیے باعث فخر ہے کہ عثمانیہ بلدی جماعت کے کل ارکان کا تہائی سے زاید حصہ ہمارے حلقے کے ساکنین پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں عموماً حلقۂ ہذا کے ان تمام ساکنین کا میں تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے توسیع رکنیت کے لیے کوشش فرمائی ہے اور خصوصاً مولوی شیخ محمد صاحب قریشی۔ مولوی کرامت علی صاحب بی اے (عثمانیہ) اور مولوی نوازش عمر صاحب کا ممنون ہوں۔

حصہ واری شاخیں

حسب دفعہ ۲۵ قواعد عثمانیہ بلدی جماعت حلقۂ ہذا کے چاروں حصوں میں حصہ واری شاخیں قایم ہیں۔ ۱۳۴۷ف میں حصۂ اول کے صدر جناب بابوراؤ صاحب والوجکر معتمد جناب مانک راؤ صاحب اور ارکان مجلس عاملہ جناب وینکٹ سوامی صاحب جناب ہنمنت راؤ صاحب جناب سید خواجہ معین الدین صاحب۔ جناب یس۔کے پانڈو صاحب۔ جناب رگھو دیر راؤ صاحب وکیل ہائیکورٹ رہے۔

حصۂ دوم کے صدر جناب ڈاکٹر ست نارائن صاحب میر محلہ معتمد جناب محمد غوث صاحب اور ارکان مجلس عاملہ جناب سوہن لال صاحب وکیل جناب نوازش عمر صاحب۔ جناب نواب فخر الدین خاں صاحب۔ جناب محمد حسین خاں صاحب اور جناب بالکشن صاحب رہے۔

حصۂ سوم کے صدر جناب احمد سعدی صاحب میر محلہ معتمد جناب محمد کرامت علی صاحب بی اے (عثمانیہ) اور ارکان مجلس عاملہ جناب فضل الدین خاں صاحب وکیل ہائیکورٹ۔ نواب خواجہ احمد اللہ خاں صاحب جاگیردار۔ جناب عبدالسمیع احمد صاحب جناب خواجہ معین الدین صاحب اور جناب مجید اللہ خاں صاحب رہے۔

حصۂ چہارم کے صدر، جناب محمود علی خاں صاحب میر محلہ، معتمد جناب شیخ محمد صاحب قریشی اور ارکان مجلس عاملہ جناب ہند کشور صاحب ماتھر بی اے۔ ال ال بی (عثمانیہ) وکیل ہائیکورٹ۔ جناب بندھیا چند صاحب بی اے (عثمانیہ) جناب محمد سبحان صاحب جناب سید رضا صاحب اور جناب پریم راج صاحب رہے۔

ان حصہ داری شاخوں کی سالانہ رپورٹ تاحال وصول نہ ہونے کی وجہ سے شریک رپوٹ ہذا نہ کی جاسکیں۔

دورہ ہائے معمولی

مجلس عاملہ جماعت ہذا نے ابتدائے سال ہی میں یہ طے کیا تھا کہ ہر جمعہ کو سہ پہر میں حلقے کا دورہ کیا جائے اور یہ اصول بنایا گیا تھا کہ ہر مہینے کا پہلا جمعہ حصۂ اول کے، دوسرا جمعہ حصۂ دوم کے، تیسرا جمعہ حصۂ سوم کے اور چوتھا جمعہ حصۂ چہارم کے دورہ کے لیے مختص کیا جائے جس کی تعمیل میں سال حال (۳۶) معمولی دورے کیے گئے۔ اِن دوروں میں جس قدر اصلاح طلب اُمور بلدیہ سے متعلق پائے گئے ان کو لیے صدر جماعت ہذا کے ذریعے مجلس بلدیہ میں تحریکات پیش کی گئیں یا عہدہ داران و ملازمین بلدیہ سے ارتفاع شکایت کی کوشش کی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں جو کچھ ہوا اُس سے بہت زیادہ ابھی انجام پانا ہے۔ ان دوروں میں صدر و معتمد اور ارکان مجلس عاملہ کے علاوہ حصہ داری شاخوں کے عہدہ داران و ارکان مجالس عاملہ گہری دلچسپی کے ساتھ شرکت فرماتے رہے۔ حصۂ دوم کے اُمور اصلاح طلب مثلاً تعمیر بدررو، انتظام روشنی اور نہ اندازی وغیرہ کے متعلق ڈاکٹر ست نارائن صاحب جناب محمد غوث صاحب اور جناب یم بالکشن صاحب کی توجہ سے مکمل فہرستیں تیار ہوچکیں۔ اسی طرح حصۂ چہارم کے متعلق بھی جناب شیخ محمد صاحب قریشی کی توجہ سے مکمل مواد فراہم ہوچکا ہے۔ حضرات متذکرۂ صدر جماعت کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ حصۂ اول اور حصۂ سوم کے مواد کی فراہمی کی کوشش بھی جاری ہے۔

دورہ ہائے غیر معمولی

معمولی دوروں کے علاوہ صدر جماعت ہذا نے بہ حیثیت رکن بلدیہ حلقۂ دوم اندرون مضافات

معروضوں اور زبانی شکایتوں کی بنا پر متعدد غیر معمولی دورے موقعوں کے معاینہ کے لیے کیے۔

مالیہ

سال حال آج کی تاریخ تک جماعت ہذا کی نہ کوئی آمدنی ہوئی اور نہ کوئی خرچ۔ جماعت ہذا کے ذرائع آمدنی دو ہیں، عطیات اور مرکزی جماعت کی امداد۔ جماعت ہذا نے کوئی عطیات وصول نہیں کیے اور نہ مرکزی جماعت سے کوئی امداد تا حال حاصل ہوئی، اس لیے آمدنی میں کوئی رقم شریک نہیں ہے۔ ممکن ہے مرکزی مجلس عاملہ کے ایک تصفیہ کے بہ موجب ارکان عثمانیہ بلدی جماعت مقیم حلقۂ ہذا کے وصول شدہ چندہ کا سہ ربع حصہ یہیں ختم سال سے قبل وصول ہو جائے۔ خرچ کی رقم اس لیے شریک نہیں ہے کہ ناگزیر اخراجات مثلاً تنخواہ اہلکار و چپراسی وغیرہ بھی جماعت کو برداشت نہیں کرنے پڑے بلکہ صدر جماعت ہذا نے بہ کمال ہمدردی دفتری اور تقسیم لفافہ جات وغیرہ کے کام کو اپنے ذاتی آدمیوں کے ذریعے انجام دلوایا۔ جو کام جماعت ہذا کے آیندہ پیش نظر ہے مثلاً مدارس شبینہ۔ کتب خانہ جات اور کلبس وغیرہ کے قیام کے لیے جماعت کو رقمی ضرورتیں پیش آئیں گی۔ مرکزی جماعت کی امداد کے علاوہ کاموں کی وسعت کے لحاظ سے عطیات کا وصول کرنا بھی ضروری ہو جائے گا۔

امور بلدیہ

صدر جماعت ہذا نے بہ حیثیت رکن بلدیہ جو فرائض انجام دیے ان کی مختصر کیفیت بھی ذیل میں درج کر دی جاتی ہے:۔

اجلاس ہائے مجلس بلدیہ | سال حال مجلس بلدیہ کے معمولی ملتویہ اور خاص (۴۵) اجلاس ہوئے جن میں سے ہر ایک میں معزز رکن نے شرکت فرمائی۔

اجلاس و دورہ ہائے صحت کمیٹی | بلدیہ میں بلدہ حیدر آباد کی صحت و عافیت کی نگرانی کے لیے سات ارکان کی ایک سب کمیٹی بنام "صحت کمیٹی" قائم ہے جو اپنے دوروں اور اجلاسوں میں بلدہ حیدر آباد کی صحت سے متعلق ضروری امور پر غور کرتی اور ان کے متعلق تصفیے کر کے مجلس بلدیہ میں پیش کرتی ہے۔ ہر ہفتہ میں اس کمیٹی کا ایک دورہ اور ایک اجلاس ہوا کرتا ہے۔ صدر جماعت ہذا کا بھی اس کمیٹی کی رکنیت کے لیے انتخاب ہوا، اور انھوں نے اس کے سال حال کے (۲۲) دوروں اور (۹) اجلاسوں میں سے ہر ایک میں شرکت کی۔

اجلاس ہائے سب کمیٹی متعلق قیام مدارس شبینہ | نظام نامہ عثمانیہ بلدی جماعت کی جو تحریکات سال حال مجلس بلدیہ میں

پیش ہوئی تھیں ان میں سے ایک قیام مدارس شبینہ کے لیے بھی تھی مجلس بلدیہ نے اس تحریک کو منظور کرکے اس کے متعلق ایک سب کمیٹی قایم کی ہے جس میں صدر جماعت ہذا کا نام بھی شریک ہے۔ اب تک اس کے دو اجلاس ہوئے اور دونوں میں انھوں نے شرکت کی۔

اجلاس ہائے سب کمیٹی متعلق قرضہ بلدیہ | مذکورہ بالا سب کمیٹیوں کے علاوہ حصول قرضہ سے متعلق ایک ہنگامی سب کمیٹی بھی صدر جماعت ہذا کا انتخاب عمل میں آیا تھا۔ اس کے (۵) اجلاسوں میں سے وہ صرف ایک میں شرکت کرسکے۔

کارہائے تعمیری حلقۂ ہذا | سال حال کا موازنہ مجلس بلدیہ نے ۱۳۴۶ف ہی میں منظور کردیا تھا۔ اس وقت مجلس بلدیہ میں جماعت ہذا کی کوئی نمایندگی نہیں ہورہی تھی حلقۂ ہذا کے تعمیری کاموں کے لیے کچھ زیادہ رقم شریک موازنہ نہ ہوسکی۔ سال حال ایک موری (کوچۂ مسجد جعفری واحاطہ بہرام الدولہ) اور دوسری موری اندرون دروازہ علی آباد تعمیر ہوسکی! اور اول الذکر موری کی بچت کی رقم سے اسی کوچہ میں دو مکانات حاصل کرکے سواریوں کی آمد ورفت کا راستہ قایم کیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک پیشاب خانہ اور ایک حوض آب نوشید نی برائے جانوران بھی حلقۂ ہذا میں قایم ہوا۔

روشنی | البتہ سال حال حلقۂ ہذا میں برقی روشنی کی کافی توسیع ہوئی محلہ جات اندرون لال دروازہ۔ کوٹلۂ عالی جاہ۔ کوچۂ مسجد جعفری۔ راستہ ڈیوڑھی مہاراجہ بہادر۔ کرٹہ تالاب میر جملہ اور مغلپورہ میں (۸۰) برقی چراغوں کا اضافہ ہوا۔ محلہ جات سلطان شاہی، اندرون دروازہ گولی پورہ، بیلۂ مہاراجہ چندولال، کوچۂ نانا کا ماٹی، احاطۂ میر پاشا، کوچۂ گرٹے کاری گوڑہ، اور کوچۂ نعیم الدین خاں میں بھی انشاء اللہ عنقریب برقی روشنی آجائے گی۔ آخر الذکر ۲ کوچوں کے علاوہ برقی روشنی کے ستون نصب ہیں۔ مجلس بلدیہ کے ایک حالیہ تصفیہ کے بہ موجب توقع ہے کہ ہمارے حلقہ کے چھوٹے چھوٹے کوچہ جات بھی اوائل ۱۳۴۸ف میں کم ازکم مٹی کے تیل کی قنادیل سے منور ہوجائیں گے۔

کنٹہ یان خاشاک | حلقۂ ہذا میں (۱۸۵) آہنی کنڈیاں اور (۲۷) خاشاک اندازی کے خام گڑھے تھے۔ سال حال (۲۵) جدید آہنی کنڈیوں کا اضافہ کیا گیا۔

تحریکات مجلس بلدیہ | ضروریات حلقہ کے سلسلے میں تعمیر موری چھوٹا بازار سلطان شاہی (۲) تنصیب جالیاں برموری ہری باؤلی (۳) تعمیر موری کوچۂ الیشونت راؤ (۴) تنصیب جالیاں برموری کوچہ اندھیری باؤلی (۵) تہ اندازی کوچۂ اندھیری باؤلی (۶) مورم اندازی سڑک ہائے سلطان شاہی (۷) تعمیر موری احاطہ مبارز الدولہ

(۸) تعمیر موری پلاٹ نمبر واقع لال دروازہ (۹) تعمیر موری عقب مسجد شکر سلطان شاہی کے متعلق مجلس بلدیہ میں تحریکات پیش کی گئیں جن میں سے تحریک (۱) منظور ہوئی اور باقی تحریکات زیر غور ہیں۔

دیگر اُمور: نظامت بلدیہ کے بارہ آدمیوں کا ایک زاید عملہ ۲۶ فروری ۱۳۵۰ف سے حلقہ ہذا میں متعین ہے جس کے ذریعہ حلقہ کی متعدد ایسی موریوں کی گل برآری کی گئی جو سالہا سال سے غیر چالو اور بند تھیں اور چند گلیوں اور راستوں کی مٹی وغیرہ کی ہمواری کا کام بھی اس عملہ سے لیا گیا۔ یہ عملہ اس وقت حلقہ ہذا ہی میں کارگذار ہے اور توقع ہے کہ سال آیندہ حلقہ ہذا کی جملہ موریاں صاف ہو جائیں گی اور مزید راستوں کی ہمواری کا کام بھی انجام پائے گا۔

انتظام مسجد احاطۂ قیم الدولہ مرحوم واقع اندرون دریچۂ رنگ علی شاہ: مسجد مذکور کی بے حرمتی سے متعلق محلہ سے جو شکایت پیش ہوئی تھی اس کے سلسلے میں نظامت اُمور مذہبی کو توجہ دلائی گئی، جواب وصول ہوا کہ کارروائی جاری ہے۔

تنازعہ موری مکان عالیہ بیگم صاحبہ ساکن پنچ محلہ: موری کے تنازعہ سے متعلق صاحبہ موصوفہ کی درخواست پیش ہونے پر نظامت بلدیہ کے توسط سے عہدہ داران صرف خاص مبارک کو توجہ دلائی گئی۔ وہاں سے جواب آیا ہے کہ کارروائی زیر تصفیہ ہے۔

تبدیلی نل اسٹانڈ ہوئی واڑہ سلطان شاہی: تنصیب جدید نل ہوئی واڑہ کے سلسلے میں اہالیان ہوئی واڑہ کا ایک محضر پیش ہونے پر بہ ذریعۂ محکمۂ آب رسانی حسب خواہش اہالیان محلہ نل اسٹانڈ کا مقام تبدیل کر دیا گیا۔

یوم ترک مسکرات: یوم ترک مسکرات کے سلسلے میں جماعت ہذا نے جو حصہ لیا اس کی رپورٹ منسلک ہذا ہے۔

دکانات گوشت واقع شاہ علی بنڈہ: دکانات گوشت واقع شاہ علی بنڈہ کے متعلق ایک شکایتی محضر پیش ہونے پر کہ وہ لوگ کھلی جالیاں رکھ کر گوشت فروخت کیا کرتے ہیں، گذر کے جوان کے علاوہ ایک خاص جوان کو اس کی نگرانی کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ شکایت رفع ہو جائے گی۔

انتظام آب رسانی بہ زمانۂ عیدین و تہوارات: جناب میر محلہ صاحب اعزازی حصۂ دوم کی تحریک کی بنا پر عیدین و تہوارات میں پابندی کے ساتھ نلوں کے کھلے رکھنے کے متعلق توجہ دلائی گئی۔ وہاں سے جواب آیا کہ آیندہ سے عیدین و تہوارات کے موقع پر نلوں کے کھلے رکھنے کی پابندی کی جائے گی۔

اصلاح کوچۂ بن شاہ: اہالیان کوچۂ بن شاہ کے ایک محضر کی بنا پر کوچۂ مذکور کی رفع شکایت کے متعلق بہ توسط

نظامت بلدیہ عہدہ داران صرف خاص مبارک کو توجہ دلائی گئی ہے۔ابھی کارروائی جاری ہے۔

پری باؤلی مسجد جالی | مصلیان مسجد مذکور اور اہالیان محلۂ مذکور کی خواہش کی بنا پر مسجد مذکور کی باؤلی کی پری سے متعلق بہ توسط نظامت بلدیہ محکمۂ امور مذہبی سے کارروائی جاری ہے چونکہ اس باؤلی تک غاشاک کے بنڈیوں کو جانے کے لیے مسجد کی دیوار کو توڑنے کی ضرورت ہے اس لیے محکمۂ امور مذہبی کی اجازت کی ضرورت ہے۔

فسادات بلدۂ حیدرآباد | بلدۂ حیدرآباد میں اوائل خورداد ۵۶ف میں جو نحوس فسادات پھوٹ پڑے اُن سے حلقۂ دوم اندرون بہ فضل خدا محفوظ رہا حلقۂ ہذا میں امن و امان قایم رکھنے میں مولوی میر مظہر علی صاحب کامل وکیل ہائیکورٹ سابق رکن بلدیہ کی کوششوں کا بڑا حصہ ہے عثمانیہ بلدی جماعت حلقۂ دوم اندرون نے بھی امن و امان قایم رکھنے میں امکانی جدوجہد کی اِس سلسلے میں نواب میر احمد علی خاں صاحب رکن بلدیہ۔ مولوی محمود علی خاں صاحب میر محلہ اور ڈاکٹر ست نارائن صاحب میر محلہ کی کوششیں بھی قابلِ ستائش رہیں۔پنڈت گنپت راؤ صاحب دیشپانڈیہ وکیل ہائیکورٹ اور مولوی خواجہ معین الدین صاحب جاگیر دار بھی اپنے حلقۂ اثر میں کوشش فرماتے رہے۔مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب امین کوتوالی کی مستعدی اور اپنے فرائض میں انہماک بھی قابلِ تعریف رہا اس رپورٹ کو مرکزی جماعت میں پیش کرنے پر وہاں سے ذریعۂ مراسلہ ہم کو مطلع کیا گیا کہ حضراتِ مذکور کا منجانب جماعت شکریہ ادا کیا جائے، چنانچہ حسبہٗ عمل کیا گیا۔

حضرات ناشکرگذاری ہوگی اگر اس موقع پر صدر جماعت ہذا نواب میر احمد علی خاں صاحب کے

شکریہ | متعلق بہ طور خاص کچھ عرض نہ کروں۔اس سال مجلس بلدیہ کا کوئی ایسا اجلاس نہ ہوا جس میں ممدوح نے شرکت نہ کی ہو۔بلدیہ کی دوسری ذیلی کمیٹیوں میں بھی وہ عموماً شریک رہے۔ ممدوح کی بلدی مصروفیات کو مجھے بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔میں بلا خوفِ تردید عرض کرسکتا ہوں کہ میں نے جو کچھ دیکھا اور سُنا وہ یہی تھا کہ روزانہ ان کے اوقات کا بیشتر حصہ محکمۂ بلدیہ وغیرہ سے مراسلت کرنے، بلدیہ ہی سے متعلق سوچنے اور بلدیہ ہی سے متعلق کچھ کرنے میں گذرتا تھا جماعت ہذا کے اخراجات ممدوح نے خود برداشت کیے غرض جماعت اور حلقۂ ہذا کے لیے انھوں نے عملاً وہ سب کچھ کیا جو وہ کرسکتے تھے اس سلسلے میں خود جماعتِ ہذا بھی قابلِ مبارکباد ہے کہ اس نے اپنی نمایندگی اور حلقہ کی اصلاح کے لیے ایسے موزون ترین فرد کا انتخاب کیا۔

حضرات، ظاہر ہے کہ ہمارا کوئی ادارہ اور کوئی کام کامیاب نہ ہوتا اگر ہمارے بادشاہ ذیجاہ خلد اللہ ملکہٗ کی توجہات و مراحم و الطاف شاہانہ شہریوں اور بلدیہ کی اصلاح کی جانب مبذول نہ ہوتی ہم سب بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں کہ اعلیحضرت بندگان عالی معہ شہزادگان و شہزادیان بلند اقبال تا دیر ہم پہ حکمراں رہیں (آمین)۔

۲۶ آبان ۱۳۴۷ف

خواجہ سردار اللہ خاں جاگیردار

معتمد عثمانیہ بلدی جماعت حلقہ دوم اندرون

مجلس علمیہ (انجمن طیلسانیین عثمانیہ) اس غرض سے قایم کی گئی ہے کہ عام طور پر تعلیم یافتگان جامعہ عثمانیہ اور بالخصوص طیلسانیین کے علمی و ادبی کارناموں کو منظر عام پر لائے اور اس طرح اردو زبان کی خدمت اور اعلیٰ علمی کتابوں کی اشاعت کا کام انجام دے اس سلسلے میں محققانہ مقالے جو جامعہ عثمانیہ کے پوسٹ گریجویٹ طلبہ سے لکھائے گئے ان کو انجمن کے ترجمان مجلہ طیلسانیین میں طبع کرنے کے علاوہ کتابی صورت میں شایع کیا گیا ہے:—

۱۔ **اردو ادب بیسویں صدی میں**۔ تالیف سید علی حسنین صاحب زیبا ایم اے (عثمانیہ) موجودہ صدی کے اردو ادب پر ایک سیر حاصل تنقیدی مقالہ۔ قیمت ۱۲ آنے۔

۲۔ **عہد ابراہیم عادل شاہ ثانی کے متولیان ریاست**۔ تالیف سید علی محسن صاحب ایم اے (عثمانیہ) عادل شاہی ریاست کے دور ترقی کی بسیط اور محققانہ تاریخ۔ قیمت ۲ روپیہ

۳۔ **سلطان احمد شاہ ولی بہمنی**۔ تالیف ظہیر الدین ایم اے (عثمانیہ) سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کی مفصل محققانہ اور مستند تاریخ۔ قیمت عہ

دفتر انجمن طیلسانیین عثمانیہ، مرکز مصنوعات ملکی معظم جاہی مارکٹ۔ حیدرآباد دکن اور بلدہ کے ہر کتب فروش سے دستیاب ہو سکتی ہیں

قواعد جماعت اتحاد و ترقی

منظورہ جلسہ عام انجمن طیلسانین عثمانیہ

منعقدہ

۲؍خورداد ۱۳۴۸ف فصلی

نام

دفعہ ۱۔ اس جماعت کا نام "جماعت اتحاد و ترقی حیدرآباد" ہوگا۔

الحاق

دفعہ ۲۔ یہ جماعت انجمن طیلسانین عثمانیہ سے ملحق ہوگی اور اس جماعت کے قواعد و ضوابط کے لیے انجمن طیلسانین عثمانیہ کی منظوری لازمی ہوگی۔

ترمیم قواعد

دفعہ ۳۔ قواعد ہذا میں ترمیم کرنے کے لیے حسب ذیل طریقہ عمل میں لایا جائے گا۔ ترمیم خواہ رکن اپنی تحریک معتمد کے پاس بھیجے گا، معتمد اس تحریک کو مجلس عاملہ کے معمولی اجلاس میں پیش کرے گا۔ بصورت منظوری مجوزہ ترمیم معتمد انجمن طیلسانین عثمانیہ کے پاس کارروائی کی غرض سے بھیجدی جائے گی۔

اغراض و مقاصد

دفعہ ۴۔ یہ جماعت کامل طور سے غیر فرقہ واری ہوگی اور اس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے۔

الف۔ خانوادۂ آصف جاہی اور پرچم آصفی کے بقا اور استحکام کی کوشش عمل میں لانا اور ان کے ساتھ جذباتِ وفاداری و احترام کو مستحکم کرنا۔

ب۔ پُرامن اور دستوری ذرایع سے اس امر کی کوشش کرنا کہ خانوادۂ آصفیہ کے زیر سایۂ عاطفت ممالک محروسہ سرکار عالی میں دستور و سیاست، ارتقاء کے ایسے درجے پر پہنچ جائے کہ جو مُلک و اہلِ مُلک کے حقیقی مفاد کے تحت رائے عامہ کا صحیح مظہر ہو، اور ایک فرقہ دوسرے فرقے پر فرقہ واری بنیاد پر غلبہ حاصل نہ کر سکے۔

ج۔ حیدرآباد کے مشترکہ تہذیبی عناصر اور روایاتِ مُلک کے بقا و استحکام کی کوشش۔

د۔ رعایائے مملکت آصفیہ میں اپنے دستوری حقوق اور ذمہ داریوں کا صحیح احساس اور خدمتِ مُلک کا جذبہ پیدا کرنا۔

ھ۔ مملکتِ آصفیہ کی مجالسِ مقننہ اور ان سے متعلقہ اداروں کے انتخابات میں حصہ لینا۔

و۔ قانون سازی میں بہ لحاظ حالات مقننہ کی صحیح رہنمائی کے ذرایع اختیار کرنا۔

ز۔ وہ تمام ذرایع اختیار کرنا جو مقاصد مندرجۂ بالا کے حصول میں ممد و معاون ہوں۔

رکنیت

ف۔ اس جماعت میں حسب ذیل اصحاب شریک ہو سکیں گے:۔

الف۔ ارکان انجمن طیلسانئین عثمانیہ۔

ب۔ مجالسِ مقننہ سرکار عالی اور ممالک محروسہ سرکار عالی کی بلدی مجالس کے ارکان۔

ج۔ وہ اصحاب جن کے نام جماعت کی مجلس عاملہ میں پیش ہو کر ۳/۴ ارکان حاضر کی تائید سے منظور ہوئے ہوں اور اس کی منظوری کا بینۂ انجمنِ طیلسانئین عثمانیہ سے حاصل کی گئی ہو۔

ذرایع آمدنی

ف۔ جماعت کے ہر رکن کو سالانہ دو روپیے چندہ ادا کرنا ضروری ہوگا، لیکن انجمن طیلسانئین عثمانیہ کے ارکان سے جو اس جماعت کے رکن ہوں سالانہ ایک روپیہ چندہ لیا جائے گا، اور انجمن ایسے ارکان کے چندے کا ۱/۲ حصہ جماعت کو دے گی جو جماعت کے رکن ہوں۔

ف۔ جماعت کو اختیار ہوگا کہ حسب ضرورت بہ اغراض جماعت عطیات فراہم کرے۔

اقرار پابندئ قواعد

ف۔ کوئی شخص اس وقت تک اس جماعت کا رکن متصور نہ ہوگا، اور نہ اس کی کارروائی میں حصہ لے سکے گا تاوقتیکہ اس نے اقرار نامہ منسلکہ قواعد ہذا پر اپنے دستخط نہ کردیے ہوں کسی فرقہ واری جماعت کا رکن، جماعت ہذا کا رکن نہ ہوسکے گا۔ فرقہ واری جماعتوں کا تعین کابینۂ انجمن طیلسانئین عثمانیہ کرے گی۔

عہدہ داران

ف۔ اس جماعت کے حسب ذیل عہدہ دار ہوں گے:۔

۱۔ صدر۔ ۲۔ نائب صدر۔ ۳۔ معتمد۔ ۴۔ شریک معتمد۔ ۵۔ خازن۔

ف۱۰۔ ان عہدہ داروں کا انتخاب ہر سال بہ ماہ آبان جماعت کے جلسۂ عام میں ہوگا۔

مجلسِ عاملہ

ف۱۱۔ اس جماعت کی مجلسِ عاملہ علاوہ عہدہ داران مندرجہ ف۹ کے حسب ذیل ارکان پر مشتمل ہوگی:۔

الف۔ چار ارکان مجلسِ مقننہ جو جماعت کے رکن ہوں، ان کا انتخاب خود ایسے ارکان مجلسِ مقننہ کریں گے جو جماعت کے رکن ہوں۔

ب۔ چار ارکان جن کو کابینۂ انجمنِ طیلسانئین عثمانیہ مقرر کرے گی۔

ج۔ چار ارکان جن کو جماعت کے جلسۂ عام میں ہر سال بہ ماہ آبان منتخب کیا جائے گا۔

انتخاب عہدہ داران و ارکان مجلسِ عاملہ

ف۱۲۔ الف۔ جماعت کے جملہ عہدہ داران اور حسب ف۱۱ ضمن ج مجلسِ عاملہ کے چار ارکان کا انتخاب خفیہ رائے دہی کے ذریعے بہ ماہ آبان جلسۂ عام میں ہوا کرے گا جس کے انعقاد کی اطلاع معتمد جماعت کم از کم ایک ہفتہ قبل ارکان جماعت کو دے گا۔

ب۔ کوئی رکن نہ تو انتخاب میں امیدوار ہوسکے گا، اور نہ رائے دے سکے گا تاوقتیکہ اس نے اپنے ذمے کے جملہ مطالبات رقمی ادا نہ کردیے ہوں۔

ج۔ جماعت کے صدر کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ انجمن طیلسانئین عثمانیہ کا رکن ہو۔

فرائض و اختیاراتِ عہدہ داران

دفعہ ۱۳۔ صدر، جماعت کا اعلیٰ عہدہ دار ہوگا، اور اس کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:۔

الف۔ جماعت کے عام مفاد کی نگرانی کرے گا۔

ب۔ مجلسِ عاملہ اور جلسۂ عام کی صدارت کرے گا۔

ج۔ ہر جلسے میں اسی نوع کے جلسۂ ماقبل کی روئیداد سن کر ارکانِ حاضر کے حسب صواب دید توثیق کرے گا۔

د۔ جن جلسوں میں وہ صدر ہو، ان کی ترتیب و تنظیم پر نگرانی رکھے گا، اور قواعد کی توجیہ و تاویل کا مجاز ہوگا۔

ھ۔ بہ صورت تساوی آراء اس کو فیصلہ کن رائے بھی دینے کا اختیار ہوگا۔

و۔ جماعت کے کاروبار کی اجرائی میں قواعدِ جماعت کے بہ موجب مختلف عہدہ داروں اور ارکانِ جماعت کو مناسب ہدایات دے گا۔

نایب صدر

دفعہ ۱۴۔ نایب صدر، صدر کے غیاب میں فرائض صدارت انجام دے گا، اور ان امور کی تکمیل کا ذمہ دار ہوگا جو صدر اس کے تفویض کرے۔

معتمد

دفعہ ۱۵۔ معتمد کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:۔

الف۔ جماعت کے تمام مملوکات۔ رجسٹرات۔ روئیداد۔ کاروبار تنظیم اور دیگر متعلقہ امور کی نگرانی۔

ب۔ صدر کے مشورے سے مجلسِ عاملہ کے جلسوں کا انعقاد۔

ج۔ صدر کی منظوری سے ایسے ملازمین کا تقرر جن کی ماہوار ۱۵ پندرہ روپیے سے زیادہ نہ ہو۔

د۔ جماعت کی رکنیت کے امیدواروں کے نام بہ موجب دفعہ ضمن ج منظوری کی غرض سے مجلس عاملہ میں پیش کرنا، اور بہ موجب دفعہ ضمن الف و ب ارکان کے ناموں سے

مطلع کرنا، اور ارکان سے چندہ وصول کرنا۔

ھ۔ عہدہ داروں اور ارکان مجلس عاملہ کے انتخابات کا کم از کم پندرہ[۱۵] روز قبل اعلان کرے گا اور مجلس عاملہ کی منظوری سے جملہ انتظامات عمل میں لائے گا۔

و۔ جماعت کے ارکان کا رجسٹر اور مجالسِ مقننہ سرکار عالی کے ارکان کا رجسٹر صحیح اور درست حالت میں رکھے گا۔

شریک معتمد

۱۶۔ شریکِ معتمد، جماعت کے معتمد کا شریکِ کار اور معاون ہوگا، اور معتمد کی عدم موجودگی میں اس کے جملہ فرائض ادا کرے گا۔ مجلسِ عاملہ معتمد کے بعض فرائض شریکِ معتمد کے سپرد کرسکے گی۔

خازن

۱۷۔ خازن کے فرائض حسب ذیل ہوں گے:۔

الف۔ جماعت کے حسابات کا ذمہ دار رہنا۔

ب۔ ہر ماہ مجلس عاملہ میں آمد و خرچ کا گوشوارہ پیش کرنا۔

ج۔ ہر سال تمام حسابات کی تنقیح مجلس عاملہ کے مقرر کردہ تنقیح سازوں سے کرانا، اور اس کی رپورٹ مجلس عاملہ میں پیش کرنا۔

مالیات

۱۸۔ جماعت کے مالیات کا انتظام حسب ذیل طریقے پر ہوگا:۔

الف۔ ہر سال انتخابِ عہدہ داران کے بعد خازن اور معتمد، آمدنی اور خرچ کا موازنہ مرتب کر کے مجلسِ عاملہ میں پیش کریں گے۔ یہ موازنہ مجلسِ عاملہ کی رائے کے ساتھ جماعت کے جلسۂ عام میں بہ غرض منظوری پیش کیا جائے گا۔

ب۔ موازنۂ منظورہ کے اندر رقم خرچ کرنے کا اختیار معتمد کو بہ منظوریٔ صدر حاصل ہوگا۔

ج۔ خازن کو اختیار نہ ہوگا کہ جماعت کی کوئی رقم زاید از پندرہ روپیے اپنے پاس رکھے۔

د۔ جماعت کی رقم کسی بنک میں بہ منظوریٔ مجلسِ عاملہ رکھی جائے گی۔

ھ۔ بنک سے رقم کی داد و ستد صدر کی دستخط سے ہوا کرے گی۔

مجلسِ عاملہ کے فرائض واختیارات

۱۹ ۔ مجلسِ عاملہ کے فرائض و اختیارات حسب ذیل ہوں گے:۔

الف ۔ خازن و معتمد کے پیش کردہ موازنہ پر جلسۂ عام میں پیش کرنے سے قبل غور کرنا۔

ب ۔ ان ارکان کی شرکت جماعت کی منظوری جن کے نام بہ موجب ۵ ضمن ج پیش ہوں۔

ج ۔ جماعت کی شاخوں کا قیام۔

د ۔ جماعت کے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے کاروبار کے طریقے سوچنا، اور ان کے عمل میں لانے کے ذریعے اختیار کرنا۔

ھ ۔ ملازمین جماعت کی عام نگرانی کرنا، اور بہ صورتِ عدم کارگذاری تنزل یا برطرفی عمل میں لانا۔

و ۔ حساباتِ جماعت کی تنقیح کے لیے سالانہ تنقیح سازوں کو مقرر کرنا۔

ز ۔ کاروباری اور عام جلسوں کے انعقاد کی تاریخ مقرر کرنا، اور ان کے انتظامات کی بابت معتمد کو ہدایت دینا۔

۲۰ ۔ اگر جماعت کا کوئی عہدہ دار یا مجلسِ عاملہ کا کوئی رکن تحریری اطلاع کے بغیر مجلسِ عاملہ کے تین جلسوں میں موجود نہ رہے تو اس کو جماعت کے عہدہ یا مجلس عاملہ کی رکنیت سے مستعفی سمجھا جائے گا، اور مجلسِ عاملہ باقی ماندہ مدت کے لیے دوسرا انتخاب عمل میں لائے گی۔

۲۱ ۔ قواعدِ ہذا کی مناسب تعمیل کے لیے مجلسِ عاملہ جماعت کے جلسۂ عام کی منظوری سے ذیلی قواعد مرتب کرے گی، ان قواعد کی منظوری کابینۂ انجمنِ طلبسانئین عثمانیہ سے عمل میں آنا ضروری ہوگا۔

عام جلسے

۲۲ ۔ جلسۂ عام سال میں کم از کم ایک مرتبہ انتخاب عہدہ داران اور سالِ ماسبق کی کارروائیوں پر بحث و تمحیص کے لیے ماہ آبان میں منعقد ہوگا، اور پہلی شش ماہی کے ختم پر جماعت کے عام کاروبار پر غور کرنے کے لیے بھی ایک جلسۂ عام منعقد ہوگا، لیکن مجلسِ عاملہ اگر چاہے تو کسی ضروری امر کے

تنسیخ کے لیے غیر معمولی عام جلسے منعقد کر سکے گی۔ نیز اگر جماعت کے (۱۵) ارکان معتمد سے کسی خاص کارروائی کے لیے غیر معمولی جلسۂ عام کے انعقاد کی تحریری خواہش کریں تو معتمد کا فرض ہوگا کہ بہ اطلاع مجلسِ عاملہ دو ہفتے کے اندر ایسا جلسہ طلب کرے۔

۲۳۔ الف۔ کوئی عہدہ دارِ جماعت، یا رکن مجلسِ عاملہ اپنے فرائض کی ادائی میں ایسا تساہل یا غفلت کرے جس سے ہرج کا رواقع ہو تو وہ جلسۂ عام $\frac{2}{3}$ آراء سے اپنے عہدے یا رکنیت سے سُبک دوش ہو جائے گا۔

ب۔ اگر کوئی رکنِ جماعت اپنے اقرار نامہ یا پابندئ قواعد کی خلاف ورزی کرے تو مجلسِ عاملہ کے ارکان حاضر کی $\frac{3}{4}$ اکثریت سے رکنیتِ جماعت سے خارج کر دیا جائے گا، اور آیندہ چھ مہینے کے اندر اس کی شرکتِ مکرر کی درخواست پر غور نہ ہوگا۔

جلسوں کا نصاب

۲۴۔ جماعت کے مختلف جلسوں کا نصاب حسبِ ذیل ہوگا:-

جلسۂ عام .... ۱۵ ارکان

مجلسِ عاملہ .... ۵ ارکان

نصاب کے مکمل نہ ہونے سے ہر نوعیت کا جلسہ ملتوی ہو جائے گا۔ اگر دوبارہ جلسہ منعقد ہو تو اس صورت میں جلسۂ عام کے لیے (۷) ارکان اور مجلسِ عاملہ کے لیے تین ارکان کا موجود ہونا ضرور ہوگا۔

جلسوں کی اطلاع

۲۵۔ معتمد کا فرض ہوگا کہ جلسوں کی تاریخ سے اتنی مدت قبل جو ہر جلسے کے محاذی ذیل میں درج ہے ارکانِ متعلقہ کو اطلاع دے:-

ماہانہ جلسۂ مجلسِ عاملہ .... ۴ روز

غیر معمولی جلسۂ مجلسِ عاملہ ..... ۲۴ گھنٹے

معمولی جلسۂ عام ..... ۷ روز

غیر معمولی جلسۂ عام ..... ۲ روز

ف۲۶ ۔ اگر مجلسِ عاملہ ضرورت سمجھے تو علاوہ سالانہ جلسۂ عام کے جماعت کی ایک عام کانفرنس سال کے کسی زمانے میں منعقد کرسکے گی اور اس کی صدارت کے لیے علاوہ جماعت کے صدر کے کسی اور ممتاز شخص کو منتخب کرسکے گی۔

عارضی انتظام

ف۲۷ ۔ جماعت کی مجلسِ عاملہ کی تشکیل ہونے اور ارکان مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آنے تک جماعت کے عاملانہ کاروبار ایک ایسی مجلس انجام دے گی جس کا انتخاب کابینۂ انجمن طیلسانیین عثمانیہ کرے گی۔

اقرار نامہ حسب دفعہ ۸

میں جماعت اتحاد و ترقی حیدرآباد کا رکن بننا چاہتا ہوں اور عہد و اثق کرتا ہوں کہ تاریخ شرکت سے جماعت مذکور کے قواعد کی ہر طرح پابندی اور اغراض و مقاصد کی تکمیل کروں گا۔

تبصرے

تحریک ترقی مملکت آصفیہ ۔ از خواجہ حمید احمد صاحب بی اے (عثمانیہ)

عہد حاضر میں مملکت آصفیہ اپنی ترقی کے ایک خاص مرتبہ پر فائز ہے ۔ اعلیٰحضرت آصف سابع خلد اللہ ملکہ کی اورنگ نشینی کے جشن سیمیں کے موقع پر نواب سہراب نواز جنگ بہادر آنجہانی کے ورثا نے ممالک محروسہ سرکار عالی کے ایک باعزت اور خوش حال مستقبل کی تدابیر اور مسایل" کے موضوع پر مسابقتی مقالے لکھوائے عثمانیہ طیلسانی برادری کے رکن رکین جناب خواجہ حمید احمد صاحب کا مقالہ اول اور قابل انعام (صمادؐ) قرار پایا۔ یہ اسی مقالے کی کتابی صورت ہے! اس کتاب میں ملک کے خوش حال اور باعزت مستقبل کے اساسی اصول پر بحث کے بعد ملک کی زندگی کے مختلف شعبوں کے مسایل، ان کی ترقی کے مواقع اور امکانات، ذخائر اور وسائل پر جامعیت کے ساتھ نہایت خوش اسلوبی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

ملکی صنعت وحرفت کی ترقی کے امکانات اور ملکی سرمایہ کے استعمال کے ذرایع سے متعلق ابواب کو ہم نے خصوصی توجہ کا مستحق پایا۔

ہمارے ملک میں مختلف مسایل کے تعلق سے اعداد وشمار کی فراہمی کا کام متمدن مغربی ممالک کے مقابلے میں نہایت ابتدائی منزلوں میں ہے۔ ایسے مسایل پر ایک سنجیدہ، محققانہ اور عالمانہ تنقید اور تبصرے کے لیے ایسا مواد لابد ہے۔ اس سلسلے میں بڑی محنت اور کاوش سے مصنف نے متعلقہ منتشر مواد فراہم کیا ہے اور اسے بڑے سلیقے سے مرتب کیا ہے۔

ابواب کے مندرجہ اعداد وشمار کے علاوہ کتاب کے آخر میں چند تقابلی گراف و اعداد وشمار کے تختے ملیں گے جنھیں بڑی محنت اور خوبی سے ترتیب دیا گیا ہے۔

اب حیدرآباد میں تعلیم یافتہ لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد خاصی ہوگئی ہے لیکن ابھی تک اکثر

صاحبانِ قلم خاص ادبی موضوعات یا صرف افسانوں پر قلم اُٹھاتے ہیں۔ یہ ہماری بڑی کمزوری ہے، اور ہماری زبان اور ادب کی بڑی محرومی ہے۔ ہمیں زندگی کے اہم اور روز مرّہ کے مسایل پر علمی روشنی ڈالنی چاہیئے، اس سے نیا اور ترقی پذیر ادب پیدا ہوگا۔ جناب خواجہ حمید احمد صاحب نے اس باب میں رہنمائی کے فرائض انجام دیے ہیں۔

بیان اور زبان دونوں موضوع بحث کے مناسب حال ہیں۔ اُردو کو یہ اسالیب زیادہ تر جامعہ عثمانیہ کے تعلیم یافتہ اصحاب کی بدولت نصیب ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں کوئی جملہ مزید سُلجھے ہوئے پیرایہ میں ادا کیا جا سکتا ہے، امید ہے کہ آیندہ اشاعت کے موقع پر یہ اصلاح ہو جائے گی۔

کتابت جلی اور واضح۔ طباعت روشن، سرِ ورق مجلا اور مصوّر ہے۔ کاغذ سفید اور ستھرا۔ اعلیحضرت بندگان عالی کی تصویر سے بھی کتاب مزیّن ہے۔

مصنف سے ترب بازار سابق عمارت دفاتر صرف خاص مبارک حیدر آباد دکن کے پتے پر یا دیگر مشہور کتب فروشوں سے مل سکتی ہے۔

اُردو ادب بیسویں صدی میں۔ تالیف مولوی سید علی حسین صاحب زیبا ام اے (عثمانیہ)۔

طیلسانئین عثمانیہ کی مجلس علمیہ نے اپنے ذمے ایک خدمت یہ بھی لی تھی کہ ام اے کی جماعتوں کے لیے جو تحقیقی مقالے لکھے جاتے ہیں، ان میں سے اچھے مقالے منتخب کرکے پہلے تو قسط وار مجلہ طیلسانئین میں شایع کیے جائیں، پھر کتابی صورت میں ان کی اشاعت ہو۔ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

"یہ مقالہ ۱۸۵۷ء کے قریب سے شروع ہو کر ۱۹۳۳ء کے ادبی ہنگاموں پر ختم ہوتا ہے اس کو دو حصوں میں بانٹا گیا ہے نظم و نثر" اس میں مصنف نے عہدِ انقلاب اور عہدِ اضطراب کے ادبی انقلاب، اس کے اسباب اور آثار کا ذکر کیا ہے۔ اُردو ادب و شعر کے مختلف شعبوں اور اصناف کی تبدیلی اور ترقی دکھائی ہے۔

ہماری زندگی اور خیالات کے ساتھ ساتھ ہمارا ادب بھی چلتا اور بدلتا رہا۔ عہد بہ عہد کے مشاہیر نظم و نثر اور ان کی خصوصیات پر اجمالی نظرِ تنقید ڈالی گئی ہے یہ ہمارے جدید ادب کا ایک آئینہ ہے۔

تحقیق کی ابتدائی منزل میں ہر شخص سے کچھ نہ کچھ لغزشیں سرزد ہو جاتی ہیں، ایسی بعض مثالیں اس کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن فی الجملہ کتاب نہایت مفید ہے۔

زبان صاف سلیس اور بیان دلچسپ ہے۔
قیمت صرف (۱۲؍) ہے۔ دفتر انجمن طیلسانئین عثمانیہ یا مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہے۔

قواعد عربی حصہ اول ۔ تالیف حکیم مولوی صبغتہ اللہ صاحب لکچرار سٹی کالج۔

عربی زبان دُنیا کی مستند اور مسلّمہ زبانوں میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے ایشیا میں وسیع ترین زبان ہے۔ وہ دُنیا کے سب سے زیادہ آدمیوں کی مادری زبان ہے غیر یورپی زبانوں میں بہ قول آقبالؒ سب سے زیادہ تابناک مستقبل رکھتی ہے۔ دُنیا کے ساٹھ ستر کروڑ انسانوں کی واحد مذہبی زبان ہے۔

اس کی قواعد وسیع اور نہایت مرتب و مدوّن ہے۔ پُرانا طریق تعلیم و تفہیم طلباء پر شاق گذرتا تھا وہ زیادہ وقت میں کم سیکھتے تھے۔

ادھر کئی سال سے مسلسل کوشش ہو رہی ہے کہ اس کے قواعد (گرامر) کو سہل اور آسان طرز میں مرتب کیا جائے تاکہ سیکھنے والے جلد اور آسانی سے سیکھ لیں۔

جناب حکیم صبغتہ اللہ صاحب یہاں عربی زبان کے کامیاب اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اس سلسلے میں ان کی کوشش امتیازی شان رکھتی ہے اپنے تجربے اور خیال کی مدد سے انھوں نے یہ کام کیا ہے۔ طلباء کے ماحول مدرسہ اور روزمرّہ کا اس میں خاص لحاظ کیا گیا ہے۔ ہر قسم کی مشقیں دی ہیں عربی کے مبتدیوں کو اس سے خاص فایدہ اُٹھانا چاہیئے۔ کتاب صاف ستھری چھپی ہے۔

ملنے کا پتا:۔ صحت منزل حسینی علم، بارہ گلی۔ قیمت صرف (۶؍) حالی۔

"س"

سلسلۂ انجمن اصلاح العشیرہ

۱۔ ریاض النسواں، اُردو تالیف قاضی بدرالدولہ۔ فقہ شافعی کی مستند کتاب۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ اور زکوٰۃ وغیرہ مسایل روزمرّہ۔ کاغذ چکنا، رائل سائز (۱۵۶) صفحات قیمت ایک روپیہ دو آنے۔

۲۔ تفسیر فیض الکریم تالیف قاضی بدرالدولہ و مفتی محمد سعید خاں، عربی مستند تفاسیر کا خلاصہ اُردو، (۸) جزو۔ قیمت چار روپیے۔

۳۔ تحفۃ الخلان، تالیف مولوی خلیل اللہ صاحب سابق مددگار معتمد مالگزاری، فقہ شافعی معاملات بیع و شریٰ و ترکہ وغیرہ کے مسایل۔ کاغذ چکنا۔ رائل سائز (۱۷۶) صفحات قیمت عہ۔

۴۔ فوایدبدریہ، اُردو، تالیف قاضی بدرالدولہ، پیغمبرِ اسلامؑ کی سیرت میں مستند کتاب عربی مستند کتابوں کا بہترین اُردو خلاصہ رائل سائز ۶۰ پونڈی چکنا کاغذ ۴۸۴ صفحات، لکھائی و چھپائی بہتر قیمت مجلد ۴ روپیے غیر مجلد تین روپیے۔

۵۔ عہدِ سلف، تالیف مولوی محمد مرتضیٰ، ۱۳ سو سال کی تاریخ سلطنت اسلامی پر دقت نظر کے ساتھ دلچسپ اسلوب میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ رائل سائز (۱۲۰) صفحات قیمت عہ۔

۶۔ خواتین عہدِ عثمانی، تالیف نصیر الدین صاحب ہاشمی۔ عہد آصف سابع میں خواتین دکن کی ترقی کا تذکرہ قیمت عہ۔

۷۔ زراعت دکن۔ تالیف مولوی قادر مرتضیٰ حسین صاحب۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کے مختلف موسموں کی کاشت کا احوال قیمت ۸ر۔

۸۔ طبِ قدیم و طبِ جدید۔ تالیف حکیم محمد اسمٰعیل صاحب۔ طب یونانی سے عصری طب کا تقابل قیمت ۱۲ر

ملنے کا پتہ

حافظ عبدالعظیم صاحب معتمد کتب خانہ سعیدیہ جام باغ ترپ بازار حیدرآباد دکن

رسید کتب

سررشتۂ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی کی حالیہ شایع شدہ (۳۴) کتابیں دفتر انجمن میں موصول ہوئی ہیں جن کی نسبت ہم جناب مولوی محمد الیاس برنی صاحب ناظم سررشتہ کے ممنون ہیں یہ کتابیں کتب خانۂ انجمن طیلسانیین عثمانیہ میں شریک ہیں اور ان سے تحت قواعد کتب خانہ استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ کتابوں کی فہرست حسب ذیل ہے:۔

۱۔ طبیعیات حصہ ششم برق (ڈنکن اسٹارلنگ) ترجمہ مولوی محمد عبد الرحمن خاں صاحب
۲۔ محکم کنکریٹ کی تجویز جلد اول نظری (فیبر پوری) ترجمہ مولوی محمد ضیاء الدین صاحب
۳۔ اصول نفسیات جلد اول (ولیم جیمس) ترجمہ مولوی احسان احمد صاحب
۴۔ تاریخ انگلستان حصہ اول (سیرل رانسم) ترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب
۵۔ تاریخ یونان جلد چہارم (اڈولف ہوم) ترجمہ پروفیسر محمد ہارون خاں صاحب شروانی
۶۔ اصول و طریق محصول (آر میٹج سمتھ) ترجمہ پروفیسر محمد حبیب الرحمن صاحب
۷۔ علم ہندسہ نظری (جی۔ پیج۔ اسکوتھ) ترجمہ مولوی محمد نذیر الدین صاحب
۸۔ حکومت ہائے یورپ حصہ دوم (ایف۔ اے۔ آگ) ترجمہ مولوی قاضی تلمذ حسین صاحب
۹۔ طب قانونی و سمومیات حصہ اول (ڈکسن میان ڈبلیو۔ اے برنڈ) ترجمہ ڈاکٹر محمد حسین صاحب
۱۰۔ اصول معاشیات جلد اول (ٹاسگ) ترجمہ مولوی رشید احمد صاحب
۱۱۔ فلسفہ نتائجیت (ولیم جیمس) ترجمہ مولوی عبد الباری صاحب ندوی
۱۲۔ ہندسی مخروطات، تالیف مولوی شیخ برکت علی صاحب و خواجہ محی الدین صاحب
۱۳۔ مٹی کا کام (سلسلۂ اشاعت رڑکی) ترجمہ مولوی سید منظور حسین صاحب
۱۴۔ علم الولادت حصہ اول (دس اساتذہ) ترجمہ ڈاکٹر خلیل الرحمن صاحب

۱۵۔ علم طب حصہ اول (ٹیلر) ترجمہ ڈاکٹر محمد عثمان خاں صاحب
۱۶۔ جراحی اطلاقی تشریح حصہ اول (سریف۔ ٹریوز) ترجمہ ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب
۱۷۔ جراحی اطلاقی تشریح حصہ دوم (سریف۔ ٹریوز) ترجمہ ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب
۱۸۔ طب قانونی و سمومیات حصہ دوم (جے۔ ڈکسن میان۔ ڈبلیو۔ اے برنڈ) ترجمہ ڈاکٹر محمد حسین صاحب
۱۹۔ اصول نفسیات جلد دوم (ولیم جیمس) ترجمہ مولوی احسان احمد صاحب
۲۰۔ نظریہ مبادلات خارجہ (رائٹ آنریبل وائکونٹ گاشین) ترجمہ پروفیسر محمد حبیب الرحمٰن صاحب
۲۱۔ یورپ سولھویں صدی میں (اے۔ ایچ۔ جانسن) ترجمہ مولوی رحیم الدین صاحب
۲۲۔ زر اور ذرائع مبادلہ (ڈبلیو۔ ایس۔ جیونس) ترجمہ مولوی احمد محی الدین صاحب
۲۳۔ تاریخ فیروز شاہی (شمس سراج عفیف) ترجمہ مولوی فدا علی صاحب طالب
۲۴۔ تاریخ دولت عثمانیہ جلد اول (ڈی لا جانکیویری) ترجمہ مسٹر ایم کچھتال و مولوی سید احمد صاحب و مولوی سید حمید الدین صاحب
۲۵۔ نظریہ خیر و شر کی پہلی کتاب (ایچ۔ راشڈل) ترجمہ مولوی خواجہ عبدالقدوس صاحب
۲۶۔ تاریخ الکامل عہد بنی عباس حصہ اول ترجمہ مولوی سید ابوالخیر صاحب مودودی
۲۷۔ ہند کے سیاسی مسلک کا نشو و نما (جی۔ اینڈرسن۔ ایچ صوبیدار) ترجمہ مولوی محمد عبدالستار صاحب
۲۸۔ آئین اکبری حصہ اول ترجمہ مولوی فدا علی صاحب طالب
۲۹۔ اصول معاشیات جلد دوم (ٹاسگ) ترجمہ مولوی رشید احمد صاحب
۳۰۔ مبادی نباتیات حصہ اول (لوسن۔ ساہنی) ترجمہ پروفیسر محمد سعید الدین صاحب
۳۱۔ نظری علم الحیل (جے۔ ایچ جیمس) ترجمہ مولوی محمد نذیر الدین صاحب
۳۲۔ ذرہ اور استوار اجسام کا علم حرکت (ایس۔ ایل۔ لونی) ترجمہ مولوی شیخ برکت علی صاحب
۳۳۔ عملی نباتیات (آر۔ بی۔ کے۔ رنگاچاری) ترجمہ مولوی عبدالباری صاحب
۳۴۔ نسیجیات حصہ اول (سرای۔ شارپے۔ شافر) ترجمہ ڈاکٹر محمد عثمان خاں صاحب
۳۵۔ تاریخ ہند برائے فوقانیہ تالیف مولوی سید ہاشمی صاحب (بار ششم)
۳۶۔ انڈیا ان پرتگیز لٹریچر تالیف مس آمنہ پوپ صاحبہ
۳۷۔ پیمائش حصہ دوم (سلسلہ اشاعت رڑکی) ترجمہ مولوی رضاء اللہ صاحب



ہے عقل کا نمایش قدرت میں امتحاں
اے آنکھ دیکھ پتلی میں پھرتا ہے آسماں

تجربہ کار آنکھوں کا بالکل امتحان کرنے کے بعد بہت احتیاط سے عینکیں دیجاتی ہیں پتھرکی اور دوسری جدید طرز و وضع کی عینکیں اور عمدہ سکسہ و سونا چاندی کی کمانیں بھی فروخت کیجاتی ہیں۔
گھڑیاں کے توڑے بجلی کے فینسی ہر قسم کے جیبی لالٹین اور ان کا مسالہ کثرت موجود رہتا ہے عینکوں اور بیٹریوں کی مرمت بھی کیجاتی ہے طلبا کیلیے خاص رعایت

عنایت علی یوسف علی عینک فروش
چارمینار متصل جامع مسجد حیدرآباد دکن

عورت کا سہاگ

چوڑیوں سے ہے

ہمارے کارخانے کی چوڑیاں حسن کاری کا بہترین نمونہ ہوتی ہیں جس کیلیے نمایش مصنوعات ملکی حیدرآباد سے طلائی تمغہ عطا ہوا ہے۔ پھول، پتہ اور کٹاؤ کا کام نفیس اور نہایت خوبصورت بنایا جاتا ہے اس کے باوجود دام واجبی اضلاع کے آرڈر کی تعمیل کیجاتی ہے آزمایش شرط ہے۔

حاجی شیخ بالے چوڑی فروش لاڑبازار
حیدرآباد دکن

